دین
اسلام
ایمان
احسان

گھر کے ہر فرد کی فکری اور روحانی تسکین کا سامان
ماھنامہ خضر راہ

آسان زبان میں اسلامی افکار وخیالات کا انمول خزانہ
ماھنامہ خضر راہ

سفر و حضر کا بہترین ساتھی
ماھنامہ خضر راہ

سوسائٹی کو سیرت نبوی میں ڈھالنے کے لیے پڑھیں اور پڑھوائیں
ماھنامہ خضر راہ

ماھنامہ

خضرِ راہ

Nov. 2013

کیا یزید جنتی ہے؟

حدیث موضوع کا حکم

بیعت یزید سے لے کر حضرت حسین کی شہادت تک

مسلمان؛ مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اُسے ظلم میں چھوڑتا ہے، اگر کوئی اپنے بھائی کا ساتھ اس کی پریشانی میں دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی پریشانی میں اس کا ساتھ دیتا ہے، جس نے اپنے مسلم بھائی کی پریشانی دور کی اللہ قیامت میں اس کی پریشانیوں کو دور فرمائے گا اور جس نے کسی مسلم بھائی کی پردہ پوشی کی اللہ تعالیٰ قیامت میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔
(بخاری، کتاب المظالم والغضب)

زیر سرپرستی داعیٔ اسلام شیخ ابو سعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی

ماہنامہ
خضرِ راہ

جلد 01
شمارہ 11

نومبر ۲۰۱۳
ذی الحجہ ۱۴۳۴

مجلس منتظمہ

مدیر اعلیٰ : شوکت علی سعیدی
مدیر مسئول : محمد جہانگیر حسن
معاون مدیر : ضیاء الرحمٰن علیمی
معاون مدیر : اشتیاق عالم مصباحی

مولانا حسن سعید صفوی
نگراں اعلیٰ شاہ صفی اکیڈمی

نگراں : غلام مصطفیٰ ازہری
سرکولیشن منیجر : محمد اختر رضا
کمپوزر : ظفر عقیل سعیدی
تزئین کار : محمد طارق رضا

نوٹ: مضمون نگار کے افکار و نظریات سے ادارے کا اتفاق ضروری نہیں۔ ادارہ

ترسیل زر کا پتہ
Shah Safi Academy, HDFC Bank, B.O.:Salahpur A/c : 22631450000118, IFSC CODE HDFC 0002263
Shah Safi Academy, BANK OF BARODA, A/c : 48810100001809 IFSC CODE BARBORASKOI, MICR CODE : 21101154

قیمت فی شمارہ	: ₹ 25
قیمت فی شمارہ (لائبریری اور سرکاری ادارے)	: ₹ 40
قیمت سالانہ (سادہ ڈاک)	: ₹ 250
قیمت سالانہ (رجسٹری ڈاک)	: ₹ 500
لائبریری اور سرکاری ادارے	: ₹ 500
بیرون ممالک	: $40
اعزازی ممبرشپ	: ₹5000

ڈرافٹ SHAH SAFI ACADEMY کے نام بنوائیں

مراسلت کا پتہ
ماہنامہ خضرِ راہ
KHIZR-E-RAH (MONTHLY)
SHAH SAFI ACADEMY
JAMIA ARIFIA, Saiyed Sarawan,
Kaushambi, Allahabad (U.P.) 212213
E-mail : khizrerah@gmail.com
Mob.: 9312922953, 7752976664

نوٹ: رسالے سے متعلق کوئی بھی مقدمہ صرف الہ آباد کی عدالت میں قابل سماعت ہوگا

PRINTER, PUBLISHER AND OWNER SHAUKAT ALI
PRINTED BY KAINAT PUBLICATION & PRINTERS, 14-H, SOUTH HOUSING SCHEME, TULSIPUR, ALLAHABAD and published from JAMIA ARIFIA Saiyed Sarawan, Kaushambi, Allahabad (U.P.) 212213. Editor - Shaukat Ali

ناشر: شاہ صفی اکیڈمی / جامعہ عارفیہ سید سراواں، کوشامبی، الہ آباد (یوپی)

خضر راہ

نعت ومنقبت:	شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی	۳	عرفانی مجلس:	شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی	۴
اداریہ:	جہاں گیر حسن مصباحی	۵	دعوت قرآن:	ذیشان احمد مصباحی	۷
ضیائے حدیث:	اصغر علی مصباحی	۱۰	فضائل ومسائل:	اصغر علی مصباحی	۱۲
شہ پارۂ اسلاف.:	خواجہ امیر حسن دہلوی	۱۴	اسرار التوحید:	شیخ محمد بن منور	۱۸

علم وعرفان

مضامین	مضمون نگار	صفحہ
حدیث موضوع کا حکم	غلام مصطفیٰ ازہری	۲۲
عقیدۂ شفاعت: احادیث صحیحہ کی روشنی میں	ضیاء الرحمٰن علیمی	۲۷
ظلم اور اس کی نوعیتیں	جہاں گیر حسن مصباحی	۳۱
راہ طریقت کے رہنما اصول	محمد مدثر رضا مصباحی	۳۵
قرآن کریم کے پانچ حقوق	امان اللہ محمدی	۴۰
بیعتِ یزید سے لے کر حضرت حسین کی شہادت تک	علامہ ابن حجر عسقلانی	۴۴
کیا یزید جنتی ہے؟	ضیاء الرحمن علیمی	۴۸
پیکر صبر واستقامت: حضرت زینب رضی اللہ عنہا	انجم راہی	۵۳
اسلام دین فطرت ہے	محمد ناظم اشرف مصباحی	۵۶
آپ کے SMS	قارئین کرام	۵۹
مشکل الفاظ کے معانی اور مفاہیم	ادارہ	۶۲

نعت ومنقبت

شان کبریائی

مصطفیٰ کی صورت میں شان کبریائی ہے
شان کبریائی ہے جلوۂ خدائی ہے

مصحف رخ جاناں وہ کتاب ناطق ہے
جس کا حرف اول ہی درس آشنائی ہے

عاشقی و رندی میں محو و گم رہوں دائم
زہد ہے یہی میرا اور پارسائی ہے

آئینہ کے اندر ہے جلوۂ خداوندی
اور اس کے پردے میں نور مصطفائی ہے

اے سعیدؔ یہ صورت کس حسیں کا نقشہ ہے
جس میں سر بسر دیکھو اس کی خود نمائی ہے

دنیا کو آج پھر ہے ضرورت حسین کی

جس دل میں سمائی ہے محبت حسین کی
وہ دل ہی جانتا ہے کچھ عظمت حسین کی

ہونے کو تو شہید ہوئے ہیں بہت مگر
تکمیلِ شہادت ہے شہادت حسین کی

چھائی ہوئی ہیں کفر کی تاریکیاں تمام
دنیا کو آج پھر ہے ضرورت حسین کی

مہماں بلا کے راج دلاروں کو اپنے گھر
کیا خوب کوفیوں نے کی دعوت حسین کی

ماتم کریں تو کس کا کریں آج ہم سعیدؔ
جب عین زندگی ہے شہادت حسین کی

شیخ ابو سعید شاہ احسان اللہ محمدی

عرفانی مجلس

افادات: حضرت داعی اسلام شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی

صحابۂ کرام اور اولیاء اللہ

۱۳۱/دسمبر ۲۰۱۲ء بروز جمعرات قدم بوسی کی دولت میسر آئی۔ صحابۂ کرام اور اولیاء اللہ کے مراتب کا ذکر آیا۔ آپ نے فرمایا:

مرتبۂ ولایت میں سب سے بلند مرتبہ صحابیت کا ہے۔ کوئی بھی غوث وقطب یا ولی کسی ادنیٰ درجے کے صحابی کے برابر نہیں ہوسکتا، کیوں کہ صحابہ کرام نے ایمان کی حالت میں اپنی ظاہری آنکھوں سے مرشد اعظم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور اُن کی صحبت کی برکت سے اپنے ظاہر و باطن کو سنوارا۔ اُن کے مربی و مرشد خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور جن کی تربیت کرنے والے خود نبی ہوں اُن کے مقام و مرتبہ کا کیا پوچھنا: ؎

بس ایک لمحہ میں کرتا ہے وہ سلوک تمام
کہ جس کا مرشد و ہادی رسول اکرم ہو

اس کے باوجود کوئی ولی معصوم قطعی نہیں، چاہے صحابہ کرام ہی کیوں نہ ہوں۔ واجب العصمۃ تو صرف انبیا کی ذات ہے۔ البتہ اولیا محفوظ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ ﴿۴۲﴾ (حجر) بے شک میرے بندوں پر تیرا بس نہیں چل سکتا۔

ان حضرات کے ارشادات کی تقلید کی جائے گی۔ لیکن جو قول یا فعل ان سے غلبۂ حال یا بشریت کے تقاضے کے سبب سرزد ہوگا، اس کی نہ تقلید کریں گے اور نہ تردید، بلکہ تسلیم کریں گے۔

(ترتیب: مجیب الرحمن علیمی)

٭٭٭

جہاں گیر حسن مصباحی

کربلا سے ہر دور میں سبق لینے کی ضرورت ہے

ماہ محرم کے آتے ہی دل دماغ میں جو سانحہ سب سے پہلے ابھرتا ہے وہ کربلا کا سانحہ ہے جو سنہ ۶۱ ہجری میں رونما ہوا۔یہی وہ دلدوز سانحہ ہے جس میں امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا دردناک واقعہ پیش آیا جو اسلامی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے اور جس سانحے نے پوری انسانیت کی چولیں ہلا کر رکھ دی تھیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ نے کیوں ایسا کیا کہ انھوں نے خود شہید ہونا اور اپنے گھرانے کو اللہ کی راہ میں قربان کرنا گوارا تو کرلیا لیکن یزید کی بیعت کو قبول کرنا پسند نہ فرمایا۔آخر اس کے اسباب وعوامل کیا تھے؟

چنانچہ اس سلسلے میں جب ہم اسلامی تاریخ کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے کئی اسباب وعوامل تھے:

۱۔امام حسین رضی اللہ عنہ نے ایسا اس لیے کیا کہ وہ دین کی حفاظت اور فسق وفجور کا خاتمہ چاہتے تھے جس میں یزید ڈوبا ہوا تھا،اگر وہ ایسا نہ کرتے اور خاموش رہ جاتے تو دنیا کے سامنے وہ دین نہ پہنچ پاتا جس دین کو لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے۔یزید کا فسق وفجور اس حد تک بڑھ چکا تھا کہ اگر اس کو ختم نہیں کیا جاتا تو نہ صرف مسلمانوں کے اندر بے راہ روی حد سے بڑھ جاتی، بلکہ اصل اسلام پر بھی پردہ پڑ جاتا اور لوگ دین کی حقیقت سے دور ہوجاتے،اسی لیے امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت قبول کرنے سے انکار کردیا۔آپ کے اس عمل کو بغاوت کا نام نہیں دیا جاسکتا کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بھی ایسے شخص کی اطاعت سے منع فرمایا ہے جو اپنی خواہش کا غلام ہو اور فسق وفجور میں مبتلا ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا (کہف:۲۸)

ترجمہ:اس شخص کی اطاعت وفرماں برداری نہ کرو جس کے قلب کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کردیا ہے اور نہ اس شخص کی جو اپنی خواہش کی اتباع کرے اور اس کا معاملہ حد سے بڑھا ہوا ہے۔

اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لَا طَاعَةَ لِمَخلُوقٍ فِی مَعصِیَةِ الخَالِقِ (مسند احمد)

ترجمہ:اللہ کی نافرمانی کے سلسلے میں کسی انسان کی کوئی بات نہیں مانی جائے گی۔

۲۔جن حالات میں کوفیوں نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو بار بار خط بھیجا اور جن اسباب کا ذکر کر کے مدد کے طالب ہوئے،ان اسباب کی بنیاد پر مدد کرنا بہرحال لازم تھا،اگر امام حسین رضی اللہ عنہ اہل کوفہ کی مدد کرنے سے انکار کردیتے اور ان کی مدد کو نہ پہنچتے تو امام حسین پر ہمیشہ کے لیے یہ الزام عائد ہوجاتا کہ کوفی فسق وفجور کے خاتمے کے لیے مدد کے طالب ہوئے لیکن امام حسین نے اہل کوفہ کی مدد کرنے سے انکار کردیا،ان کی مدد کو نہ پہنچے اور اس طرح امام حسین رضی اللہ عنہ نے فسق وفجور کو پھلنے پھولنے کا موقع دیا۔

چنانچہ پہلے آپ نے اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو وہاں بھیجا، تاکہ حقیقت حال کا پتہ چل سکے کہ کیا واقعی اہل کوفہ دین کے خیر خواہ ہیں یا محض ان کا دکھاوا ہے۔ اگر امام حسین رضی اللہ عنہ کو حکومت کی خواہش ہوتی (جیسا کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے) تو اس کی تکمیل کے لیے نہ آپ کو کوفیوں کے خطوط کی ضرورت تھی اور نہ امام مسلم بن عقیل کو تحقیق حال کے لیے بھیجنے کی، بلکہ آپ خود تشریف لے جاتے، نیز اگر واقعی یہی بات ہوتی تو اہل کوفہ کے خطوط آنے سے پہلے بھی آپ اپنی حکومت کا اعلان کر سکتے تھے اور مدینہ منورہ میں اپنی حکومت بھی قائم کر سکتے تھے، مگر آپ نے ایسا نہیں کیا جو اس بات کا ثبوت ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کو حکومت میں کوئی دلچسپی نہیں تھی بلکہ بات صرف یہ تھی کہ آپ ایک فاسق و فاجر شخص کی بیعت کرنا نہیں چاہتے تھے۔

۳۔ پھر جب امام عالی مقام کربلا کی سرزمین پر پہنچے اور آپ رضی اللہ عنہ کی ملاقات یزیدی سپہ سالار عمرو بن سعد سے ہوئی تو آپ نے میٹنگ کے دوران یہ تین شرطیں رکھیں:

(۱) مجھے یزید سے ملنے کا موقع دیا جائے۔ (۲) مجھے سرحد کی طرف جانے دیا جائے۔ (۳) مجھے مدینہ منورہ لوٹ جانے دیا جائے۔
لیکن امام حسین رضی اللہ عنہ کی یہ شرطیں نہیں مانی گئیں۔

کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ امام حسین رضی اللہ عنہ قتل و قتال نہیں چاہتے تھے، بلکہ اس سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنا چاہتے تھے، ورنہ ایسی شرطیں رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔

ان تمام حقائق کو جان لینے کے بعد کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کوفہ اس لیے روانہ ہوئے کہ شرعاً وہاں جانا واجب تھا اور آپ نے یزید کی بیعت سے انکار اس لیے نہیں کیا کہ یزید نے امام حسین کا حق غصب کر لیا تھا، بلکہ بیعت سے انکار کی اصل وجہ یہ تھی کہ یزید کھلم کھلا فسق و فجور میں مبتلا تھا، جس پر آج بھی جمہور علما کا اتفاق ہے۔

چنانچہ آج بھی اس بات کی ضرورت ہے کہ یاد حسین اور ذکر حسین کی محفلیں منعقد کرتے وقت خلاف شرع اعمال سے پرہیز کیا جائے اور یہ احتیاط بھی کیا جائے کہ کہیں جانے انجانے میں بھی کچھ ایسے اعمال نہ ہو جائیں جن کا تعلق فسق و فجور سے ہو۔

اور اس بات کو بھی دل و دماغ میں بٹھا لینے کی ضرورت ہے کہ یاد حسین یا ان کے ذکر کی محفلیں اگر شریعت کے دائرے میں ہیں تو وہ قابل قبول ہیں اور ثواب کا باعث بھی، لیکن یاد حسین یا ان کے ذکر خیر کے نام پر ایسی محفلیں جن میں شریعت کی پابندی نہ کی جائے اور شریعت مصطفوی کا کوئی لحاظ نہ رکھا جائے یقیناً نفرت کے لائق ہیں، کیوں کہ یاد حسین یا ذکر حسین کی ایسی محفلیں نہ تو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں، نہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اور نہ خود امام حسین رضی اللہ عنہ کو۔ یونہی کربلا کے واقعات کو یاد کرنے کے ساتھ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کے آفاقی پیغام کو عام کیا جائے اور جس طرح امام حسین نہ خود فسق و فجور میں مبتلا تھے اور نہ ہی انھوں نے فاسق و فاجر کی امارت تسلیم کی اسی طرح ہمیں بھی چاہیے کہ نہ ہم فسق و فجور میں مبتلا رہیں اور نہ کسی فاسق و فاجر کی امارت و امامت تسلیم کریں، خواہ وہ کسی عالم دین کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو، کسی شیخ کامل کا جانشیں ہی کیوں نہ ہو، اور نہ ہی فسق و فجور کو کبھی بڑھنے دیں، بلکہ جس طرح امام عالی مقام اخلاص و تقویٰ سے مزین، متقیوں کی امارت میں رہنے والے تھے اسی طرح ہم بھی اپنے آپ کو اخلاص و تقویٰ سے آراستہ کرنے اور مخلصین و متقین کی امارت قبول کرنے اور ان کی امامت کو اپنی زندگی میں نافذ کرنے کی کوشش کریں تبھی جا کر ہم اپنے آپ کو حسینی کہہ سکتے ہیں ورنہ نہیں۔

☆☆☆

جنت، یعنی خیر و خوشی اور حسن و راحت کی معراج

وَ بَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوْا هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَ اُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا وَ لَهُمْ فِیْهَاۤ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ۝۲۵ (بقرہ)

ترجمہ: اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے ان کے لیے ایسے باغات کی خوش خبری دے دو جن کے نیچے نہریں رواں ہیں۔ انھیں جب بھی ان باغات سے کوئی پھل دیا جائے گا تو وہ کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہمیں پہلے بھی مل چکا ہے جب کہ انھیں اس سے ملتا جلتا پھل دیا گیا ہوگا اور ان کے لیے ان باغات میں پاک جوڑے ہوں گے اور وہ وہاں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔

توحید و رسالت کے بعد آخرت اسلامی عقیدے کا اہم حصہ ہے۔ آخرت دراصل دارالجزاء ہے۔ اس دنیا میں ہم جو بھی عقیدہ رکھتے ہیں یا جو بھی عمل کرتے ہیں، اس کا بدلہ ہمیں آخرت میں ملنا ہے۔ اس لیے قرآن نے توحید و رسالت کے عقیدے اور دلائل کو بیان کرنے کے بعد عقیدۂ آخرت کو بیان کیا۔ آخرت کیا ہے؟ یہ خیر و شر اور خوشی و غم کی انتہائی شکل ہے۔ خیر و خوشی اس فانی دنیا کا بھی حصہ ہے جو نہایت ناقص اور نا تمام شکل میں ہے۔ جو لوگ اپنے خالق کی مرضی پر زندگی گزاریں گے آخرت میں انھیں خیر و خوشی کی انتہائی اور لازوال نعمت ملے گی۔ یہی نعمت جنت ہے۔ یہ نعمت جزوی طور پر دنیوی نعمتوں کے ہم شکل ہوتے ہوئے بھی اپنی انتہائی مکمل اور ابدی اوصاف کی وجہ سے بے مثل و بے مثال ہوگی۔ جس کی طرف حدیث میں اشارہ ہے کہ جنت میں ایسی نعمتیں ہوں گی جنھیں نہ آنکھوں نے دیکھا ہوگا اور نہ کانوں نے سنا ہوگا۔ (بخاری، باب ماجاء فی صفۃ الجنۃ)

جہنم اس کے برعکس شر، تکلیف اور حزن و ملال کی انتہائی اور آخری شکل ہوگی۔ یہ ان لوگوں کا ٹھکانہ ہے جن کی زندگی ان کے خالق کی مرضی کے خلاف ہوگی۔ وہ اپنے خالق کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کو جھٹلائیں گے اور حق سامنے ہوتے ہوئے بھی حق سے اعراض کرلیں گے۔ ان محروم بندوں کا ذکر اس سے پچھلی آیت میں آچکا ہے۔

یہ سائنس کا دور ہے، اس لیے موجودہ انسان کی ذہنی ساخت (Mind Setup) ایسی بن چکی ہے کہ وہ عقیدہ کو بھی سائنٹفک انداز میں سمجھنا چاہتا ہے۔ یہی مطالبہ سر جارج برناڈ شا نے مبلغ اسلام حضرت علامہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی سے کیا تھا۔ برناڈ شا کا سوال تھا:

''دراصل میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ جنت و دوزخ کے مسئلے کی سائنسی نقطۂ نظر سے کیسے وضاحت کی جاسکتی ہے؟''

مبلغ اسلام نے اس کا جو جواب دیا تھا وہ اگرچہ کچھ طویل ہے لیکن موقع کے مناسب اور مفید ہونے کی وجہ سے

اسے یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

مبلغ اسلام نے جواباً کہا تھا:

''آپ فن تحریر کے استاذ ہیں اور آپ کے ساحرانہ قلم سے نکلی ہوئی خوب صورت اور لاجواب تحریریں قارئین کے فکر وذہن میں انقلاب پیدا کرتی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ میری اس بات سے اتفاق کریں گے کہ ملتی جلتی شکلوں اور چیزوں کی مدد (تشبیہات واستعارات) کے بغیر محض زبان کے ذریعے روحانی مسائل اور عمل کو نہیں سمجھا جاسکتا۔ لہٰذا اس حقیقت کو ہمیشہ ہمیش پیش نظر رکھنا چاہیے اور قرآن میں جنت ودوزخ کے بیان میں اظہار کے انداز کو اسی روشنی میں دیکھنا چاہیے۔ اسی طرح اس قسم کے مناظر سے جو انسان کے ظاہری احساسات وجذبات کے لیے کشش رکھتے ہوں، اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہے کہ ہم جنت کی نعمتوں کی حقیقی نوعیت جاننے کی زیادہ جستجو نہ کریں۔

کوئی نہیں جانتا کہ جنت میں ان کے لیے ایسی کیا چیز محفوظ ہے جو ان کی آنکھوں کو تازگی اور ٹھنڈک پہنچائے گی۔ . . . اور حدیث (کے مفہوم) کے مطابق تو ہمیں کسی صورت میں بھی جنت کا موازنہ دنیا میں موجود چیزوں سے نہیں کرنا چاہیے۔

جنت کی تشکیل کو نہ تو کبھی انسانی آنکھ نے دیکھا اور نہ ہی انسانی کانوں نے وہ الفاظ سنے جو جنت کی حقیقی تصویر پیش کرسکیں۔ یہ واقعی انسانی تصور سے ماورا کوئی چیز ہے جس کا خاکہ بھی تیار نہیں کیا جاسکتا۔

ایسی صورت میں یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ جنت کی نعمتیں کسی لحاظ سے بھی دنیا کی ایسی چیزوں سے مماثلت رکھتی ہوں جو ہمارے لیے خوشی کا باعث ہیں۔ اب جیسا کہ قانون ہے کہ ہر چیز آگے بڑھ رہی ہے اور مائل بہ ترقی ہے تو اس ترقی کو بھی لامحالہ کوئی معراج ہونا چاہیے جہاں یہ رک جائے اور مزید ترقی کا امکان ختم ہوجائے۔ آرام وخوشی اور تکلیف ورنج ایسی دو چیزیں ہیں جن کا سابقہ دنیا میں انسان کو پڑتا رہتا ہے۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ ان دونوں حالتوں کا انتہائی مقام ہو۔ خوشی کی معراج جنت اور تکلیف وادا سی کی انتہا دوزخ کہلاتی ہے۔

جس طرح دنیا میں کچھ مادی ذرائع ایسے ہیں جو یا تو خوشی کا باعث بنتے ہیں یا نقصان پہنچاتے ہیں۔ اسی طرح ایسے ذرائع بھی یقینی ہونے چاہئیں جو دوسری دنیا میں مسرت اور غم کی کیفیت کو دوبارہ پیدا کرسکیں۔ . . . خوشی پہنچانے والے ذریعے کا نام ''جنت'' اور تکلیفوں کے مسکن کا نام ''دوزخ'' رکھ دیا گیا ہے۔ انسانی وجود جسم وروح، اس کی سرگرمیوں کا ذمے دار ہے۔ لہٰذا روح اور جسم مل کر دوسری دنیا میں اپنے کیے کا بدلہ پائیں گے۔

اب صرف مادے (Matter) کی تعریف رہ گئی ہے مگر جیسا کہ یہ کام سائنسی ترقی کے موجودہ مرحلے پر بھی ممکن نہیں ہے، کیوں کہ مادہ درحقیقت کیا چیز ہے یہ ایک ایسی گتھی ہے جسے بہترین دماغی کوششوں کے باوجود سلجھایا نہیں جاسکا ہے۔ مادے کا کیمیائی تجزیہ تو الگ رہا، سائنس داں اس

کے وجود کی حقیقی تصویر بھی پیش کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ آج تک کی سائنسی تحقیقات کا ماحصل پروٹون (Proton) اورالیکٹرون (Electron) کی تھیوری ہے جس کے مطابق ان کی شعاعیں (Rays) دنیا کی بنیاد ہیں اور وہ اپنی ٹھوس شکل میں ان شعاعوں کا نتیجہ ہے۔''عجائبات کی دنیا'' نامی رسالہ مادے کے بارے میں کہتا ہے:

مادہ ٹھوس معلوم ہوتا ہے مگر سائنس داں بتاتے ہیں کہ ایٹم (Atom) کی وہ جگہ جو ہمارے جسم کی تشکیل کرتی ہے ختم کردی جائے اور ایٹم کا نیوکلیس اورالیکٹرون کو یکجا کردیا جائے تو ایک انسان کا جسم اتنا مختصر ہوجائے گا کہ اسے خالی آنکھ نہیں دیکھ سکے گی۔اسی طرح اگر ایک سائنس داں کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ بغیر کسی ٹھوس ثبوت کے یہ بات تسلیم کرے کہ ایک اوسط الیکٹرون ہر سکنڈ میں اپنے نیوکلیس کے گرد کروڑوں چکر لگاتا ہے اور اپنی شعاعوں کے ذریعے ٹھوس اجسام کی طرح حرکت کرتا ہے تو اسے یہ اندازہ لگانے میں بھی دشواری نہیں ہونی چاہیے کہ کس طرح انسان کے ''جسم وروح'' دوسری دنیا (آخرت) کی تکلیف وعسرت جھیلنے کے لیے کیا روپ اختیار کریں گے۔'' (مبلغ اسلام اور جارج برناڈ شاہ،ص:۱۲ تا۱۴،نوری مشن مالیگاؤں ۲۰۱۱ء)

توحیدورسالت اورآخرت کی مزید سائنٹفک تفہیم کے لیے مولاناوحیدالدین خان کی کتاب ''مذہب اور جدید چیلنج'' کامطالعہ کریں جس کا عربی اورانگلش میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

جنت کی جن نعمتوں کا ذکر پیش نظر آیت (بقرہ:۲۵) میں ہوا انھیں تسلیم کرتے ہوئے ارباب حقائق، خواص کے لیے جنت کا ایک دوسرا تصور بھی رکھتے ہیں۔خواص چونکہ راضی بہ رضا اورطالب دیدارمولیٰ ہوتے ہیں اس لیے انھوں نے خواص کی جنت دیدارمولیٰ کو ہی قراردیا، کیوں کہ یہ وہ صالح بندے ہوتے ہیں جن کی طلب وجستجو صرف اورصرف یادمولیٰ اور دیدمولیٰ ہوتی ہے۔یہی وہ بندے ہیں جن کے بارے میں قرآن میں مذکور ہے:

وُجُوۡهٌ یَّوۡمَىٕذٍ نَّاضِرَةٌ۝۲۲ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ۝۲۳ (قیامہ)

ترجمہ: قیامت کے دن کچھ چہرے کھلے ہوئے ہوں گے وہ اپنے مولیٰ کو تک رہے ہوں گے۔

☼☼☼

ماہنامہ خضر راہ

کے نئے قارئین کے لیے ایک خوشخبری

خوبصورت اور مضبوط جلد میں

پرانے شماروں کا مجموعہ

قیمت: 300/روپے

آرڈر بک کرانے کے لیے رابطہ کریں:

شاہ صفی اکیڈمی، جامعہ عارفیہ، سید سراواں، کوشامبی (الہ آباد)

Mob: +91-7860604036 / +91-9312922953

امام حسین رضی اللہ عنہ کے فضائل

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

●حُسَیْنٌ مِنِّی وَأَنَا مِنْ حُسَیْنٍ، أَحَبَّ اللّٰہُ مَنْ أَحَبَّ حُسَیْنًا، حُسَیْنٌ سِبْطٌ مِّنَ الْأَسْبَاطِ۔

(سنن ترمذی، مناقب الحسن والحسین)

ترجمہ: حسین مجھ سے اور میں حسین سے ہوں، اللہ اسے محبوب رکھتا ہے جو حسین سے محبت کرتا ہے اور حسین میرے نواسوں میں سے ایک ہیں۔

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

●اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ سَیِّدَا شَبَابِ أَھْلِ الْجَنَّۃِ۔

(سنن ترمذی، باب المناقب)

ترجمہ: حسن وحسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔

یہ حدیث محدثین کے نزدیک صحیح ہے۔

● حضرت عبدالرحمن بن ابی نعیم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عراقی نے عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مچھر کے خون کے بارے میں دریافت کیا جو کپڑے کو لگ جاتا ہے، یہ سن کر حضرت عبداللہ ابن عمر نے جواب دیا:

اس شخص کو دیکھو، مچھر کے خون کے متعلق پوچھ رہا ہے جب کہ ان لوگوں نے ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر ڈالا۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمایا کرتے تھے: إِنَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَیْنَ ھُمَا رَیْحَانَتَایَ مِنَ الدُّنْیَا۔

(بخاری وترمذی، مناقب الحسن والحسین)

ترجمہ: دنیا میں واقعی حسن وحسین میرے دو پھول ہیں۔

اس حدیث کو بھی محدثین نے صحیح کہا ہے۔

●ابواسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک بار میں کسی حاجت کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کچھ چھپائے ہوئے باہر تشریف لائے، وہ کیا تھا مجھے نہیں معلوم۔ میں نے اپنی حاجت پوری کر لی، پھر دریافت کیا:

آپ نے کیا چھپا رکھا ہے؟ یہ سن کر آپ نے اس کو ظاہر کر دیا تو دیکھا کہ یہ حسن وحسین تھے۔ اس کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ھٰذَانِ ابْنَایَ وَابْنَا ابْنَتِی، اَللّٰھُمَّ إِنِّی أُحِبُّھُمَا فَأَحِبَّھُمَا وَأَحِبَّ مَنْ یُّحِبُّھُمَا۔

(سنن ترمذی، مناقب الحسن والحسین)

ترجمہ: یہ دونوں میرے بیٹے اور میری بیٹی (فاطمہ) کے بیٹے ہیں، یا اللہ! میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں تو بھی انھیں اپنا محبوب بنا اور اُسے بھی محبوب بنا جو اِن دونوں سے محبت رکھے۔

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے۔

●حاکم کی ایک دوسری روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم حسن اور حسین کے ساتھ اس حال میں باہر تشریف لائے کہ حسن ایک کندھے پر تھے اور حسین دوسرے کندھے پر، آپ کبھی حسن کو چومتے، کبھی حسین کو، اور اسی حال میں ہمارے قریب آ گئے، تو ایک شخص نے پوچھا:

يَا رَسُوْلَ اللهِ! إِنَّكَ تُحِبُّهُمَا؟ فَقَالَ: نَعَمْ، مَنْ أَحَبَّهُمَا فَقَدْ أَحَبَّنِي، وَمَنْ أَبْغَضَهُمَا فَقَدْ أَبْغَضَنِي.

ترجمہ: یارسول اللہ! کیا آپ ان دونوں سے محبت کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا:

ہاں! جس شخص نے ان سے محبت کی، اس نے مجھ سے محبت کی اور جس شخص نے ان دونوں سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔

حاکم تعلیقاً فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

● علامہ ابن حجر عسقلانی، ابن سیرین سے مروی حدیث بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

كَانَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ أَشْبَهَهُمْ بِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، ج:۱، ص:۳۳۳)

ترجمہ: حسن و حسین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہ تھے۔

● یزید بن ابی زیاد کا بیان ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے نکلے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر گئے اور حسین کو روتے ہوئے سنا، تو آپ نے فرمایا:

أَلَمْ تَعْلَمِي أَنَّ بُكَاءَهُ يُؤْذِينِي۔

(معجم کبیر للطبرانی، حدیث: ۲۸۴۷)

ترجمہ: فاطمہ! کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ حسین کے رونے سے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔

● حضرت سلمان روایت کرتے ہیں کہ حسن و حسین کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ أَحَبَّهُمَا أَحْبَبْتُهُ، وَمَنْ أَحْبَبْتُهُ أَحَبَّهُ اللهُ، وَمَنْ أَحَبَّهُ اللهُ أَدْخَلَهُ جَنَّاتِ النَّعِيْمِ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمَا أَوْ بَغٰى عَلَيْهِمَا أَبْغَضْتُهُ، وَمَنْ أَبْغَضْتُهُ أَبْغَضَهُ اللهُ، وَمَنْ أَبْغَضَهُ اللهُ أَدْخَلَهُ عَذَابَ جَهَنَّمَ وَلَهُ عَذَابٌ مُقِيمٌ۔

(معجم کبیر للطبرانی، حدیث: ۲۶۵۵)

ترجمہ: جس شخص نے ان دونوں سے محبت کی مجھے اس سے محبت ہے اور جس سے میں نے محبت کی وہ اللہ کو محبوب ہے اور جو اللہ کا محبوب ہے، اللہ اُسے جنت نعیم میں داخل فرمائے گا اور جس نے ان دونوں سے بغض رکھا، یا ان کے خلاف کھڑا ہوا۔ میں اس سے ناراض ہوں اور جس سے میں ناراض ہوں اس سے اللہ ناراض ہے اور جس سے اللہ ناراض ہو، اس کو جہنم میں داخل فرمائے گا اور اس کے لیے ہمیشہ کا عذاب ہے۔

اس لیے ہمیں بھی چاہیے کہ ہم امام حسین سے محبت رکھیں اور ان کی عظمت کو اپنے دل میں بٹھائیں، تا کہ اللہ و رسول کی رضا اور خوشنودی ہو سکے۔

✲✲✲

ماہ محرم میں کیا کریں اور کیا نہ کریں

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتَابِ اللهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ فَلاَ تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ أَنْفُسَكُمْ (توبہ:۳۶)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی کتاب میں مہینوں کی تعداد بارہ ہے، اسی دن سے جب سے آسمان وزمین کو اس نے پیدا کیا، ان میں سے چار مہینے ادب واحترام والے ہیں، یہی درست دین ہے، اس لیے ان مہینوں میں تم اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ نے بارہ مہینے مقرر فرمائے ہیں، ان میں چار مہینے کو خصوصی درجہ حاصل ہے جس کی وجہ سے اس کے ادب واحترام اور اس کی عزت وتکریم کا حکم ہے۔ ان چار مہینوں کی تشریح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے ہوتی ہے، جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهٖ يَوْمَ خَلَقَ اللهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ، السَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا، مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ، ثَلَاثَةٌ مُتَوَالِيَاتٌ: ذُو الْقَعْدَةِ، وَذُو الْحِجَّةِ، وَالْمُحَرَّمُ، وَرَجَبُ شَهْرُ مُضَرَ الَّذِيْ بَيْنَ جُمَادَى وَشَعْبَانَ۔

(مسلم، تغلیظ تحریم الدماء)

ترجمہ: بے شک زمانہ اپنی اسی حالت پر گردش میں ہے جس حالت پر اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق فرمائی تھی۔ سال کے بارہ مہینے ہیں، جن میں چار حرمت والے ہیں، تین تو لگاتار ہیں (ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم) اور چوتھا قبیلۂ مضر کا ماہِ رجب جو جمادی الآخر اور شعبان کے درمیان ہے۔

اس حدیث پاک میں دو باتیں قابل توجہ ہیں:

● ایک تو یہ کہ محرم بھی حرمت والے مہینوں میں شامل ہے۔

● دوسری یہ کہ زمانہ اپنی پہلی والی حالت اور صورت پر گردش میں ہے، اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔

عاشورا کے روزے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: أَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ رَمَضَانَ شَهْرُ اللهِ الْمُحَرَّمُ۔ (صحیح مسلم، فضل صوم المحرم)

ترجمہ: رمضان کے بعد، سب سے افضل روزے، اللہ کے مہینے، محرم الحرام کے ہیں۔

بالخصوص دسویں محرم الحرام کے روزے کی حدیث میں بڑی فضیلت آئی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

وَصِيَامُ يَوْمِ عَاشُوْرَاءَ أَحْتَسِبُ عَلَى اللهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِيْ قَبْلَهُ۔ (صحیح مسلم، استحباب صیام)

ترجمہ: مجھے یہ امید ہے کہ عاشورا کے روزے رکھنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ پچھلے سال کے گناہوں کو مٹا دے گا۔

صحیح مسلم کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عاشورا کا روزہ رکھا اور مسلمانوں کو بھی اس دن کا روزہ رکھنے کا حکم فرمایا، تو صحابہ کرام نے آپ کو بتایا کہ:

یہ دن تو ایسا ہے جس کی تعظیم یہود ونصاریٰ بھی کرتے ہیں، یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَئِنْ عِشْتُ إِلٰى قَابِلٍ لَأَصُوْمَنَّ التَّاسِعَ۔ (صحیح مسلم، صوم فی عاشورا)

ترجمہ: اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو نویں محرم کا روزہ بھی رکھوں گا۔ (لیکن اگلا محرم آنے سے قبل ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا۔)

اس کی تشریح کرتے ہوئے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: بعض اہل علم کے بقول صحیح مسلم میں مروی اس حدیث کے الفاظ: لَئِنْ عِشْتُ إِلٰى قَابِلٍ لَأَصُوْمَنَّ التَّاسِعَ (اگر میں آئندہ سال تک زندہ رہا تو ۹؍محرم کا ضرور روزہ رکھوں گا) کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں: ایک تو یہ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ یوم عاشورا کے روزے کے لیے دس کی بجائے ۹؍محرم کا روزہ مقرر کردیا جائے اور دوسرا یہ کہ آپ دس کے ساتھ ۹؍محرم کا بھی روزہ مقرر فرمانا چاہتے تھے، اس لیے احتیاط اسی میں ہے کہ ۲؍دن کا روزہ رکھا جائے۔

(فتح الباری، زیر تشریح مذکورہ حدیث)

بلکہ یہی مناسب ہے، جس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے کہ: عاشورا کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی خصوصیت کے ساتھ روزہ رکھتے تھے، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں یہ بات آئی کہ یہودی بھی حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کو فرعون سے نجات ملنے کی خوشی میں عاشورا کے دن روزہ رکھتے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

صُوْمُوْا يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ وَخَالِفُوْا فِيْهِ الْيَهُوْدَ، صُوْمُوْا قَبْلَهٗ يَوْمًا أَوْ بَعْدَهٗ يَوْمًا۔ (مسند احمد)

عاشورا (دسویں محرم) کا روزہ رکھو اور یہودیوں کی مخالفت بھی کرو، وہ اس طور پر کہ اس کے بعد، یا اس سے قبل ایک روزہ اور رکھ لیا کرو۔

یعنی نویں اور دسویں محرم کے روزے ایک ساتھ یا پھر دسویں اور گیارہویں محرم کے روزے ایک ساتھ رکھے جائیں۔

اس لیے ہمیں ماہ محرم کے احترام کے ساتھ عاشورا کے روزے بھی رکھنا چاہیے، تاکہ اللہ کی اطاعت بھی ہو اور ہماری دنیا و آخرت بھی سنور جائے۔

تنبیہ: بعض علما اس کو دلیل بناتے ہوئے ایک روزہ رکھنے کو مکروہ قرار دیتے ہیں جب کہ ایسا نہیں ہے، کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہاں ایک روزے کا اضافہ فرمایا ہے، اس کی ایک خاص وجہ ہے، یعنی یہودیوں کے روزے سے مشابہت نہ ہونے پائے، کیوں کہ وہ لوگ بھی عاشورا کے روزے رکھتے تھے۔ ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی ایک روزہ رکھنے سے منع نہیں فرمایا ہے۔ چنانچہ صرف ایک دن روزہ رکھنا بھی جائز ہے مکروہ نہیں۔

خرافات سے پرہیز کریں

محرم کے مہینے میں عام طور پر عوام الناس خرافات اور خلاف شرع اعمال میں مبتلا نظر آتے ہیں، جن کا قرآن و حدیث سے کوئی ثبوت نہیں، بلکہ اُسوۂ حسنہ کے بالکل خلاف ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت تو صرف یہ ہے کہ نویں اور دسویں محرم کو روزہ رکھا جائے۔

اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم تمام خرافات و بدعات سے توبہ کریں، ان ایام میں روزہ رکھیں، تلاوت کریں، خیرات دیں اور دوسرے نیک اعمال کے ذریعے اللہ و رسول کی خوشنودی حاصل کریں اور اس کا ثواب امام حسین رضی اللہ عنہ کی روح کو نذر کریں۔ اس طرح امام حسین کی روح خوش ہوگی اور ہم پر ان کا فیضان جاری ہوگا، ورنہ امام حسین ہمارے خرافات و بدعات سے ہرگز خوش نہ ہوں گے، بلکہ الٹا ناراض ہوں گے اور ہمارا شمار امام حسین کے نافرمانوں اور یزیدی گروہ میں ہوگا۔

●●●

دنیادار پیروں کی بات اثر نہیں کرتی

سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا قدس اللہ سرہٗ جنھیں پیار سے ’’سلطان جی‘‘ بھی کہا جاتا ہے، ہندوستان میں سلسلۂ چشتیہ کے چوتھے بزرگ ہیں، انھیں شیخ فریدالدین گنج شکر کے جانشیں ہونے کا شرف حاصل ہے۔آپ کا اصل نام محمد بن احمد اور لقب نظام الدین ہے۔آپ کی پیدائش بمقام ’’بدایوں‘‘ ۶۳۶ ہجری مطابق ۱۲۳۸ عیسوی میں ہوئی اوروفات بمقام ’’دہلی‘‘ ۷۲۵ ہجری مطابق ۱۳۲۵ عیسوی میں ۔’’فوائدالفواد‘‘ آپ کے ملفوظات کا مشہور مجموعہ ہے۔قارئین کی افادیت کے لیے اسی مجموعے کی چھیالیسویں مجلس پیش ہے۔ (ادارہ)

ماہ ربیع الاول کی اٹھارہویں تاریخ اتوار کو قدم بوسی کی دولت ہاتھ آئی۔دنیا کی عداوت اور محبت کا ذکر آیا۔ارشاد فرمایا کہ:لوگ تین قسم کے ہوتے ہیں:

● ایک وہ لوگ جو دنیا کو دوست رکھتے ہیں اور ہر دن اس کے خیال اور طلب میں رہتے ہیں ،ایسے لوگ بہت زیادہ ہیں۔

● دوسرے وہ لوگ جو دنیا کو دشمن رکھتے ہیں،اس کا ذکر برائی کے ساتھ کرتے ہیں اور پوری طرح اس سے عداوت کرنے میں لگے رہتے ہیں۔

● تیسرے وہ لوگ جو دنیا کو نہ دوست رکھتے ہیں نہ دشمن اوراس کا ذکر؛محبت اورعداوت کے ساتھ بھی نہیں کرتے ہیں،یہ لوگ (پہلے والے) دونوں سے بہتر ہے۔

اس کے بعد حکایت بیان فرمائی کہ:ایک شخص (حضرت) رابعہ (قدس اللہ سرہا) کے پاس آکر بیٹھا اوردنیا کو بہت برا (بھلا) کہنے لگا۔(حضرت) رابعہ (قدس اللہ سرہا) نے کہا کہ: تم دوبارہ میرے پاس نہ آنا۔تم دنیا کے دوست معلوم ہوتے ہو، جب ہی تو اس کا اتنا ذکر کرتے ہو۔

یہاں سے ترکِ دنیا کے سلسلے میں ایک درویش کا ذکر آیا جو ’’کیتھل‘‘ اور ’’کہرام‘‘ کی طرف کا تھا،اس کو شیخ صوفی بدھنی کہتے تھے۔ارشاد ہوا کہ:وہ زبردست تارک (دنیا ترک کرنے والا) تھا، یہاں تک کہ کپڑے بھی نہیں پہنتا تھا۔

بندے (خواجہ امیر حسن) نے عرض کی:

اس نے کسی کا ہاتھ بھی پکڑا تھا؟(یعنی کسی کا مرید تھا؟)

فرمایا:نہیں۔

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ:

اگراس کا کوئی پیر ہوتا تو سترِ عورت (مرد کے لیے ناف سے گھٹنوں تک بدن ڈھکنا) کا حکم دیتا،اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کوئی پیر نہیں تھا۔

پھر ارشاد ہوا کہ وہ نماز بہت ادا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ: بہشت اتنی اچھی جگہ ہے مگر افسوس کہ وہاں نماز نہیں ہے۔

اس درمیان بندے نے عرض کی کہ:

اگر پیر دنیادار ہو تو کیا اُسے زیب دیتا ہے کہ مریدوں کو

دنیا کی محبت سے روکے؟

خواجہ ذکرہُ اللہ بالخیر نے ارشاد فرمایا:

اگر روکے گا بھی تو اس کا اثر نہ ہوگا، کیوں کہ ایک لسانِ قال ہے (صرف کہنے کی زبان، اردو محاورے میں اس کو زبانی جمع خرچ کہتے ہیں) اور ایک لسانِ حال ہے (صاحب کردار کی زبان) وعظ و نصیحت زبانِ حال سے مؤثر ہوتی ہے۔ لسانِ حال نہ ہو تو لسانِ قال مؤثر نہیں ہوتی۔

پھر شیخ شہاب الدین سہروردی قدس اللہ سرہٗ کی حکایت آئی۔ ارشاد فرمایا کہ: ایک دفعہ اُنھیں اپنے شیخ سے مندیل (رومال) ملا تھا۔ اس کو ہمیشہ اپنے پاس رکھتے اور اس سے برکتیں حاصل کرتے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ وہ سو گئے تھے اور مندیل ان کے پیروں کی طرف تھا۔ اچانک ان کا پیر اس کو لگ گیا، جب بیدار ہوئے تو بڑا قلق اور بے چینی ظاہر فرمائی۔ اس حد تک فرمایا کہ: مجھے اندیشہ ہے کہ میں قیامت تک اسی خطا کے رنج اور افسوس میں رہوں گا۔

اس بات کی مناسبت سے ایک حکایت بیان فرمائی کہ:

ایک دفعہ مجھے شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہٗ العزیز کی بارگاہ سے موٹی کملی کا ایک خرقہ ملا تھا اور وہ ابھی تک میرے پاس ہے۔ غرض کہ جب میں اجودھن (پاک پٹن) سے دہلی کی طرف آ رہا تھا تو یہ خرقہ بھی اپنے ساتھ لا رہا تھا۔ بس میں تھا اور میرا ایک ساتھی۔ جب ہم ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں رہزنوں کا اندیشہ تھا، وہاں بارش ہونے لگی۔ میں اور میرا وہ ساتھی ایک درخت کے نیچے کھڑے ہو گئے۔ اس دوران چند ڈاکو، جن کا ہمیں ڈر تھا نمودار ہوئے اور ہمارے سامنے آ گئے۔ میں اس کپڑے کے وسیلے سے جو میرے پاس تھا (پیر کی طرف) متوجہ ہوا، اور دل میں سوچا کہ یہ جامہ (کپڑا) شیخ کا عطا کیا ہوا ہے، یہ (رہزن) اس کو مجھ سے نہ چھین سکیں۔ پھر دل میں خیال آیا کہ اگر انھوں نے چھین لیا تو میں اس کے بعد شہر اور آبادی میں نہیں رہوں گا۔ تھوڑی دیر بعد ان لٹیروں میں سے ایک؛ ایک طرف چلا گیا، دوسرا دوسری طرف چلا گیا، سب بکھر گئے اور چل دیے، ہم سے کچھ بھی نہیں کہا اور یوں ہم سلامتی کے ساتھ اپنی منزل پر پہنچ گئے۔

پھر دنیا کے جمع و خرچ کا ذکر نکلا تو فرمایا: ضروری چیز کے سوا دنیا کو جمع نہیں کرنا چاہیے، جیسے لباس کہ اس سے شرعی طور پر بدن ڈھکا جاتا ہے، وہ جائز ہے۔ لیکن زیادتی نہیں ہونی چاہیے۔ اس کے علاوہ جو بھی ملے خرچ کر دیں اور جمع نہ کریں۔ اس وقت یہ شعر زبان مبارک پر لائے: ؎

زر بہر دادن بود اے پسر
زبہر نہادن چہ سنگ وچہ زر

ترجمہ: اے فرزند! دولت دینے کے لیے ہوتی ہے، رکھنے کے لیے تو پتھر اور سونا برابر ہے۔

پھر اس شعر کی مناسبت سے یہ شعر پڑھا جو خاقانی نے اسی مفہوم میں کہا ہے: ؎

چوں خواجہ نہ خواہد راند از ہستی خود کامی
آن گنج کہ او دارد پندار کہ من دارم

ترجمہ: جب امیر پونجی سے فائدہ نہیں اٹھاتا، لطف نہیں لیتا تو سمجھو کہ جو خزانہ اس کے پاس ہے وہ میرے پاس ہے۔

اس درمیان ایک شخص کو مسواک عطا کی اور اس کے

حسب حال ایک حکایت بیان فرمائی کہ:

ایک عالم تھے جن کو نورترک کہتے تھے۔ وہ یہاں سے خانہ کعبہ کی طرف گئے اور وہیں رہ گئے۔ وہاں جو گھر بنایا اس کے دروازے پر لکھ دیا کہ جو کوئی میرے گھر میں آئے، اگر اس کے پاس مسواک نہ ہو تو اس کا میرے گھر میں آنا حرام ہے۔

پھر درویشوں کے اچھے اخلاق کے بارے میں گفتگو چلی، ارشاد ہوا کہ:

شیخ ابوسعید ابوالخیر قدس اللہ سرہٗ اور بوعلی سینا کی آپس میں ملاقات ہوئی۔ جب ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو بوعلی نے ایک صوفی کو جو شیخ کی خدمت میں ملازم تھا، اس بات کے لیے تیار کیا کہ جب میں شیخ کے پاس سے چلا جاؤں تو جو کچھ بھی شیخ میرے بارے میں کہیں، وہ مجھے لکھ بھیجنا۔ جب بوعلی سینا واپس چلے گئے تو شیخ ابوسعید قدس اللہ سرہٗ نے ان کا کوئی ذکر نہیں کیا، نہ نیکی کے ساتھ نہ برائی کے ساتھ۔

جب اس صوفی نے ان کا کوئی ذکر نہ سنا تو ایک دن شیخ سے خود ہی پوچھا کہ: بوعلی سینا کیسے آدمی ہیں؟ شیخ نے فرمایا:

وہ دانشور آدمی ہیں، طبیب (ڈاکٹر) ہیں اور بہت علم رکھتے ہیں، البتہ! اخلاق اچھے نہیں رکھتے۔

صوفی نے یہ ساری کیفیت بوعلی سینا کو لکھ بھیجی۔ بوعلی نے وہاں سے شیخ کی خدمت میں کچھ لکھ کر بھیجا تو یہ بھی لکھا کہ:

میں نے اتنی کتابیں مکارم اخلاق (کے موضوع) پر لکھی ہیں، شیخ کے لیے یہ کہاں مناسب ہے کہ کہیں فلاں میں حسن اخلاق نہیں ہے؟

شیخ مسکرائے اور فرمایا: میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ بوعلی مکارم اخلاق کو جانتے نہیں، یہ کہا تھا کہ (مکارم اخلاق) رکھتے نہیں۔

پھر قاضی منہاج الدین کی حکایت نکلی تو فرمایا: میں ہر پیر کو ان کی وعظ میں جایا کرتا تھا۔ چنانچہ ایک دن ان کے وعظ میں تھا کہ انھوں نے یہ رباعی پڑھی: ؎

لب بر لب دلبران مہوش کردن
و آہنگ سر زلف مشوش کردن
امروز خوشست لیک فردا خوش نیست
خود را چوخسی طعمۂ آتش کردن

ترجمہ: چاند سے دلبروں کے ہونٹوں پر ہونٹ رکھنا اور زلف پریشاں کا قصد کرنا آج تو بہت اچھا لگتا ہے لیکن کل اچھا نہیں ہوگا جب خود کو گھاس کی طرح آگ کا لقمہ بنانا ہوگا۔

خواجہ ذکرہٗ اللہ بالخیر نے فرمایا:

جب میں نے یہ شعر سنے تو بے خود سا ہو گیا اور ہوش میں آنے میں خاصا وقت لگا۔

اس کے بعد ان کے حالات کے بارے میں بیان فرمایا کہ: وہ بڑے صاحبِ ذوق آدمی تھے۔ ایک دفعہ انھیں پیر کے دن شیخ بدرالدین غزنوی قدس اللہ سرہٗ کے گھر بلایا گیا۔ انھوں نے وعدہ کیا کہ وعظ سے فارغ ہو کر آجاؤں گا۔

غرض کہ جب وعظ سے فارغ ہو گئے تو وہاں پہنچے اور سماع میں شریک ہوئے، دستار اتار لیا اور لبادہ جو پہن رکھا تھا، اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

اس وقت شیخ بدرالدین کی نظم جو انھوں نے 'آتش گرفت'

کے ساتھ کہی ہے، وہ پڑھوائی جارہی تھی۔ ایک دوشعر زبان مبارک سے فرمایا کہ یہ شعر یادرہ گیا:

نوحہ می کرد بر من نوحہ گر در مجمعے
آہ ازیں سوزم بر آمد نوحہ گر آتش گرفت

ترجمہ: ایک نوحہ گرلوگوں کے سامنے مجھ پر نوحہ کررہا تھا۔ آہ! اس سے میرا سوز ایسا نکلا کہ نوحہ گرنے بھی آگ پکڑلی۔

اس وقت فرمایا: قاضی منہاج الدین ؛ شیخ بدرالدین کو ''سُرخ شیر'' کہا کرتے تھے۔

اس وعظ کی مناسبت سے شیخ نظام الدین ابوالموید قدس اللہ سرہٗ کی حکایت نکل آئی۔ بندے نے عرض کی:

آپ نے ان کا وعظ سنا ہے؟ ارشاد ہوا کہ: ہاں! لیکن میں ان دنوں بچہ تھا، معانی کی سمجھ خاطر خواہ نہیں تھی۔

ایک دن ان کے وعظ میں پہنچا تو انھیں دیکھا کہ مسجد میں آئے اور جوتیاں جو پیروں میں پہن رکھی تھیں اتار کر ہاتھ میں لے لیں اور مسجد میں آکر دورکعت نماز ادا کی۔ میں نے کسی کو نماز میں ان کی طرح نہیں دیکھا۔ دورکعتیں بڑے آرام سے ادا کیں اور منبر پر تشریف لے گئے۔ ایک قاری تھے جنھیں قاسم کہتے تھے، اچھا پڑھتے تھے۔ انھوں نے ایک آیت پڑھی، اس کے بعد شیخ نظام الدین الموید قدس اللہ سرہٗ نے آغاز فرمایا:

میں نے اپنے بابا کے ہاتھ کا لکھا دیکھا ہے۔ ابھی انھوں نے دوسرا فقرہ بھی نہیں کہا تھا کہ پہلے فقرے ہی کا لوگوں پر ایسا اثر ہوا کہ سب رونے لگے۔ اس وقت انھوں نے یہ دو مصرعے پڑھے:

بر عشق تو و بر تو نظر خواہم کرد
جاں در غمِ تو زیر و زبر خواہم کرد

ترجمہ: میں توتمھیں اور تمہارے عشق کو دیکھوں گا اور تمہارے غم میں اپنی جان کو زیروزبر کردوں گا۔

انھوں نے اتنا کہا کہ لوگ نعرے مارنے لگے۔ اس کے بعد دو تین مرتبہ یہی مصرعہ پڑھا۔

پھر کہا: اے مسلمانو! دوسرے دو مصرعے یاد نہیں آتے، کیا کروں؟ یہ بات ایسی عاجزی سے کہی کہ سارے مجمع پر اس کا اثر ہوا۔ اس وقت قاری قاسم نے وہ دو مصرعے یاد دلائے، شیخ نے یہ رباعی پوری پڑھی اور نیچے اتر آئے۔

✵✵✵

دونوں گمراہی ہے

اپنی خواہش کو دین ثابت کرنے کے لیے حدیثیں گڑھنا، یا مقاصد شرع کے خلاف احادیث اور قرآن سے اتباع نفس کی خاطر مسئلہ گڑھنا، دونوں گمراہی میں برابر ہیں۔

(ابوسعید)

ضرورت شیخ اور آداب درویشی

سلطان طریقت، برہان حقیقت شیخ ابوسعید فضل اللہ بن ابی الخیر محمد بن احمد میہنی قدس اللہ سرہٗ العزیز یکتائے روزگار شخصیت، عارف ربانی اور عظیم صوفی تھے۔ان کی پیدائش 'خراسان' کے 'میہنہ' گاؤں میں ۳۵۷ ہجری کو ہوئی اور ۴۴۰ ہجری میں اسی جگہ وفات پائی' 'اسرار التوحید فی مقامات ابی سعید' موسوم بہ 'مقامات خواجہ' ان کے مخصوص احوال واقوال پر مشتمل ہے جسے آپ کے پرپوتے شیخ محمد بن منور قدس سرہٗ نے ترتیب دی ہے۔یہ کتاب دنیائے تصوف کی مستند کتابوں میں سے ایک ہے۔ **مولانا امام الدین سعیدی** (استاذ جامعہ عارفیہ) نے اس کا ترجمہ مکمل کرلیا ہے۔۱۵ویں قسط سے مسلسل عام افادیت کے لیے انھیں کا ترجمہ بالترتیب پیش کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

شیخ ابوسعید قدس اللہ سرہٗ ایک مجلس میں فرماتے ہیں کہ تصوف سے دلچسپی کے ابتدائی زمانے میں میرے پاس بہت ساری کتابیں اور تحریریں تھیں۔ میں نے ایک ایک کر کے سب کا مطالعہ شروع کردیا مگر اس کے باوجود مجھے کوئی راحت وطمانیت حاصل نہیں ہوئی۔ میں نے رب تبارک وتعالیٰ سے عرض کیا: مولیٰ! میں نے ان کتابوں کو پڑھا مگر مجھے قلبی سکون نہیں ملا، میں ابھی بھی پیاسا ہوں، کیونکہ سارے علوم پڑھنے کے بعد بھی تجھے نہیں پایا۔مولیٰ! مجھے ان سے بے نیاز کردے اور ایسے عمل کی توفیق دے، جس کے کرنے سے تو مل جائے۔ چنانچہ اللہ کا فضل ہوا، میں نے اسی وقت ساری کتابیں ایک ایک کر کے اپنے سامنے سے ہٹانا شروع کیا، پھر ایک سکون محسوس کیا۔کتاب اٹھاتے اٹھاتے جب تفسیر حقائق یعنی قرآن کی باری آئی، تو میں نے قرآن پڑھنا شروع کردیا اور سورۂ فاتحہ، بقرہ، آل عمران، نسا، مائدہ، انعام تک تلاوت کرڈالا۔ جب :قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرۡهُمۡ فِي خَوۡضِهِمۡ يَلۡعَبُونَ ﴿۹۱﴾ (انعام) پر پہنچا تو اس سے آگے پڑھنے کی استطاعت نہیں ہوئی، بہت کوشش کی مگر اس سے آگے نہیں بڑھ سکا۔ چنانچہ اس کتاب کو بھی بند کردیا۔

جس وقت شیخ قدس اللہ سرہٗ کتابوں کو دفن کر کے مٹی برابر کررہے تھے اور پانی ڈال رہے تھے تو لوگوں نے اس واقعے کی خبر ان کے والد ابوالخیر کو دے دی۔ وہ دوڑتے ہوئے آئے اور شیخ سے کہنے لگے: یہ تم کیا کر رہے ہو؟

شیخ نے فرمایا: یاد کیجیے اس دن کو جس دن میں آپ کی دکان پر پہنچا تھا اور آپ سے پوچھا تھا: اس تھیلے میں کیا ہے؟ فلاں ڈبے میں کیا ہے؟

تو آپ نے کہا تھا: کیا تو بلخی لہجہ سمجھتا ہے؟

پھر میں نے کہا تھا: نہیں، تو آپ نے فرمایا تھا: یہ میہنگی

ہے،تم اس کے چکر میں نہ پڑو۔

جس وقت شیخ قدس اللہ سرہٗ کتابیں دفن کر رہے تھے، اس وقت آپ نے کتابوں کی طرف نگاہ ڈالتے ہوئے فرمایا:

نِعْمَ الدَّلِيْلُ أَنْتَ وَالْإِشْتِغَالُ بِالدَّلِيْلِ بَعْدَ الْوَصُوْلِ مُحَالٌ تو کتنا ہی بہتر وسیلہ ہے مگر منزل تک پہنچنے کے بعد وسیلے ہی میں مشغول رہنا محال ہے۔

اسی درمیان شیخ قدس اللہ سرہٗ کی زبان سے یہ کلمات بھی جاری ہوئے: بَدَأَمِنْ هٰذَا الْأَمْرِ كَسْرُ الْمَحَابِرِ وَ خَرْقُ الدَّفَاتِرِ وَنِسْيَانُ الْعُلُوْمِ۔

ترجمہ: اس معاملے کا آغاز قلمدان توڑنے اور کتابوں کے پھاڑنے اور علوم کو بھلا دینے سے ہوتا ہے۔

جب شیخ قدس اللہ سرہٗ کتابوں کو دفن کر کے اس زمین پر پودا لگا کر پانی ڈال رہے تھے، تو بعض صوفیا نے ان سے عرض کیا:

اے شیخ: کیا ہی بہتر ہوتا کہ یہ کتابیں دفن کرنے کے بجائے کسی کو دے دی جائیں، تاکہ وہ ان سے استفادہ کرتے۔

شیخ قدس اللہ سرہٗ نے جواب میں فرمایا:

أَرَدْنَا فَرَاغَةَ الْقَلْبِ بِالْكُلِّيَّةِ مِنْ رُؤْيَةِ الْمِنَّةِ وَذِكْرِ الْهِبَةِ عَنْدَ الرُّؤْيَةِ۔

ترجمہ: مشاہدے کے حصول کے وقت ہم نے دل کو مکمل طور سے ہبہ واحسان کے خیال سے فارغ کر لیا ہے۔

شیخ قدس اللہ سرہٗ ہی سے منقول ہے، وہ فرماتے ہیں:

میں ایک دن خواجہ حمدان قدس اللہ سرہٗ کی کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔ خواجہ نے دیکھ کر فرمایا:

ابھی تک تم کتابوں کی ورق گردانی میں لگے ہو؟ کیا تم چاہتے ہو کہ پھر سے اسی دنیا میں مشغول ہو جاؤ؟

یہ سننے کے بعد میں نے فوراً توبہ واستغفار کیا، اللہ رب العزت نے درگزر فرمایا۔

شیخ قدس اللہ سرہٗ کے ایک مرید سے یہ قصہ منقول ہے کہ:

ایک رات شیخ قدس اللہ سرہٗ اپنے حجرۂ خاص میں فجر تک بند رہے، اس درمیان حجرے سے دردناک آہیں اور چیخیں سنائی دیتی رہیں۔ میں (مرید) پریشانی و بے چینی کے مارے رات بھر نہیں سویا۔

صبح ہوئی، شیخ قدس اللہ سرہٗ باہر تشریف لائے، میں نے رات کی صورت حال کے متعلق دریافت کیا تو شیخ نے فرمایا:

میں نے کل ایک عالم کے ہاتھ میں کوئی کتاب دیکھی تھی، تھوڑی دیر اُسے لے کر میں نے پڑھ لیا، جس کی سزا پوری رات دانت کے درد کی صورت میں ملی۔ مجھے کہا گیا کہ:

جسے تم نے طلاق دے دیا ہے، اُسے دوبارہ ہاتھ کیوں لگاتے ہو؟

شیخ قدس اللہ سرہٗ نے فرمایا:

مجھ سے پیر ابوالعباس قصاب قدس اللہ سرہٗ نے نصیحت فرمائی تھی کہ تم اس وقت تک اللہ کے بندے نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے نفس سے آزادی حاصل نہ کر لو اور جنت اس وقت تک نہیں پا سکتے جب تک کہ مخلص خدمت گزار نہ بن جاؤ: جَزَاءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ (یہ بدلہ ہے ان کے اعمال کا جو وہ کیا کرتے تھے)

اس کے بعد شیخ قدس اللہ سرہٗ نے فرمایا:

پیر ابو العباس قصاب قدس اللہ سرہٗ کی اس نصیحت نے میرے مسئلے کو حل کر دیا۔

صحبت و خرقہ

شہر نسا سے شیخ ابوسعید قدس اللہ سرہٗ ''آمل'' آ گئے، وہاں پیر ابو العباس قصاب قدس اللہ سرہٗ کی خدمت میں صحیح روایت کے مطابق ایک سال تک رہے اور ضعیف روایت کے مطابق ڈھائی سال تک رہے۔

پیر ابو العباس کی خانقاہ میں گنبد نما ان کا ایک حجرہ تھا، جس میں وہ اکتالیس سال تک اپنے مریدوں کے ساتھ قیام پذیر رہے، اگر کسی مرید کو دیر رات تک نماز و تسبیح میں مشغول پاتے، تو اُن سے فرماتے:

بیٹے! سو جاؤ۔ اس عمل کے لیے تمہارا شیخ کافی ہے، تمھیں شب بیداری کی حاجت نہیں ہے۔ مگر جن ایام میں شیخ ابوسعید قدس اللہ سرہٗ وہاں مقیم رہے، انھیں کبھی بھی شب بیداری سے منع نہیں کیا، چنانچہ آپ رات رات بھر عبادت کرتے اور ہمیشہ روزہ رکھا کرتے۔

پیر ابوا لعباس قصاب نے انھیں اپنے حجرے کے سامنے ایک خاص حجرہ دے رکھا تھا، جس میں وہ مختلف ریاضات و مجاہدات کیا کرتے تھے اور حجرے کی سوراخ سے پیر ابو العباس کے معمولات و احوال کا مشاہدہ کیا کرتے تھے۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ:

پیر ابو العباس پچھنا لگوائے ہوئے تھے، اس کی بندش ٹوٹ گئی اور رگوں سے خون جاری ہو گیا، جس سے ان کا ہاتھ اور کپڑا تر ہو گیا۔

پیر ابو العباس اسی حالت میں اپنے حجرے سے باہر نکلے، ادھر شیخ ابوسعید قدس اللہ سرہٗ بھی کمرے سے باہر نکلے، چونکہ آپ ہمیشہ ان کے احوال و معمولات پر نگاہ جمائے رکھتے تھے، اس لیے صورت حال جاننے میں دیر نہیں لگی، آپ نے فوراً پیر ابو العباس کا ہاتھ دھویا اور پٹی باندھی، پھر اپنا کپڑا اتار کر ان کو پہنایا اور خود ایک پرانا کپڑا اوڑھ لیا، پھر پیر ابو العباس کے کپڑے کو دھو کر رات ہی میں سکھایا اور انھیں پیش کر دیا۔

پیر ابو العباس قصاب نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

یہ تم پہن لو۔

شیخ ابوسعید فرماتے ہیں:

پیر ابو العباس قصاب نے اپنا کپڑا اپنے مبارک ہاتھوں سے مجھے پہنایا۔ (یہ دوسرا خرقہ تھا جو شیخ ابوسعید کو پہنایا گیا تھا، پہلا خرقہ پیر ابو الفضل کے ہاتھوں عطا ہوا تھا، لہٰذا کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ جب ایک شیخ سے خرقہ مل گیا تو دوسرے سے نہیں لینا چاہیے)

رسم خرقہ پوشی کا مطلب

خرقہ پوشی کی حکمت یہ ہوتی ہے کہ وہی شخص اس کا اہل ہوتا ہے جو شریعت، طریقت اور حقیقت کا علم رکھتا ہو، ان پر مکمل طور سے عمل پیرا ہو اور اس راہ کے مراحل و مقامات کو جانتا اور پہچانتا ہو، نیز ان کا تجربہ بھی ہو، بشری آلودگی سے

پاک ہو، نفسانیت ختم ہو چکی ہو، جیسا کہ ہمارے شیخ ابوسعید قدس اللہ سرہٗ کے بارے میں شیخ ابوالحسن خرقانی نے فرمایا تھا کہ اس کے اندر کی بشریت ختم ہو چکی ہے، نفسانیت مر چکی ہے، بس یہ سراپا مردِ حق ہے، حق ہے۔ (اس عبارت کو یہاں لانے کا مقصد صرف ایک مثال سے اپنی بات کو سمجھانا ہے۔ اس واقعے کا تفصیلی ذکر آگے ہے)

جب شیخ کسی مرید کے احوال سے آگاہ ہو جاتے ہیں، اس کے ظاہر و باطن کو آزما لیتے ہیں، بصیرت و بصارت سے اس کی شائستگی ملاحظہ کر لیتے ہیں اور مکمل اعتماد حاصل ہو جاتا ہے تو مرید کو اس لائق سمجھتے ہیں کہ اب وہ خدمت خلق کے منصب پر فائز ہو سکتا ہے، گروہ صوفیا کے ساتھ بیٹھ سکتا ہے اور ایسی لیاقت پا لیتا ہے کہ ریاضت و مجاہدہ کے ذریعے ترقی کر کے صوفیا کا مقام حاصل کر سکتا ہے۔ یہ اہلیت کسی پیر کی تربیت سے حاصل ہوتی ہے، یا ان کے ارشاد و تلقین سے۔ چنانچہ اسی کی نشاندہی کے لیے اسے خرقہ پہنا دیا جاتا ہے، تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ شخص گروہ صوفیا کی صحبت کے لائق ہے۔ پھر وہ ان کے درمیان مقبول ہو جاتا ہے اور لوگ ان کی باتوں پر اعتماد کرنے لگتے ہیں۔ یہ مسئلہ ایسے ہی ہے جیسے شریعت میں عادل گواہ کی شہادت اور انصاف پسند قاضی کا فیصلہ۔

اسی وجہ سے جب کوئی اجنبی شخص کسی خانقاہ میں صحبت و تربیت کے لیے آتا ہے تو صوفیا سب سے پہلے ان سے یہی سوال کرتے ہیں کہ: آپ کے پیر تربیت کا نام کیا ہے، یا پیر خرقہ کا نام کیا ہے؟

خرقہ و صحبت، گروہ صوفیا کے درمیان ایسی عظیم نسبتیں ہیں کہ ان سے بڑھ کر کوئی نسبت معتبر نہیں۔ جن کی یہ دونوں نسبتیں درست نہ ہوں وہ نہ گروہ صوفیا میں شمار ہوتا ہے اور نہ ان کے ساتھ رہ سکتا ہے۔

خرقہ و صحبت کی تفصیل ایک طویل بحث ہے، یہاں اس کا ذکر کرنا میرا مقصد نہیں ہے۔ بہر کیف! جو شخص ریاضت و مجاہدہ کے ذریعے بلند مقام حاصل کر لے مگر اس کا کوئی پیر نہ ہو تو صوفیا کے نزدیک وہ غیر معتبر ہے۔

شیخ ابوسعید قدس اللہ سرہٗ نے فرمایا ہے:

مَن لَّمْ یَتَأَدَّبْ بِأُسْتَاذٍ فَھُوَ بَطَّالٌ وَلَوْ أَنَّ رَجُلًا بَلَغَ أَعْلَى الْمَرَاتِبِ وَالْمَقَامَاتِ حَتّٰى تَنْكَشِفَ لَهُ مِنَ الْغَيْبِ أَشْيَاءُ وَلَا يَكُوْنُ لَهُ مُقَدِّمٌ وَلَا أُسْتَاذٌ فَلَا يَجِيءُ أَلْبَتَّةَ مِنْهُ شَيْءٌ۔

ترجمہ: جس نے کسی استاذ سے ادب نہیں سیکھا وہ باطل پرست ہے، اگرچہ وہ بلند درجات پر فائز ہو۔ اس طرح کہ اس پر امور غیبیہ منکشف ہونے لگیں مگر اس کا کوئی مرشد و مربی نہ ہو تو اس کی کسی بات کا اعتبار نہ ہوگا۔

حاصل یہ کہ راہ طریقت کا مدار پیر ہی ہے، اس قول کے مصداق کہ: اَلشَّيْخُ فِي قَوْمِهٖ كَالنَّبِيِّ فِي أُمَّتِهٖ۔

ترجمہ: شیخ اپنی قوم میں ایسے ہی ہے جیسے نبی اپنی امتی کے درمیان۔

یہ حقیقت تسلیم شدہ ہے کہ اس راہ میں کوئی بھی خود سے کسی مقام کو نہیں پا سکتا۔

✲✲✲

غلام مصطفی ازہری

حدیث موضوع کا حکم

ایک زمانہ تھا جب حدیثیں گڑھ کر لوگوں کو گمراہ کیا جاتا تھا لیکن آج حدیث کو ضعیف اور موضوع بتا کر گمراہ کیا جانے لگا ہے۔ آج ضعیف، ضعیف کا ورد اس طرح کیا جاتا ہے، گویا کہ حدیث ضعیف پر عمل کرنا سخت حرام اور گمراہی ہو، جب کہ سلف سے خلف تک محدثین وفقہا ضعیف احادیث پر عمل کرتے رہے ہیں بلکہ ایک رکعت نماز بھی حدیث ضعیف پر عمل کیے بغیر کسی بھی امام کے نزدیک پوری نہیں ہوسکتی۔

اسی طرح حدیث موضوع کے بارے میں بعض لوگ ایسے سخت واقع ہوئے ہیں کہ وہ کسی حدیث کو موضوع اس طور پر قرار دیتے ہیں جیسے ان پر وحی نازل ہوئی ہو، ان کا کسی حدیث کو موضوع کہنا ظنی نہیں قطعی ہو اور اب ان کی اس تحقیق پر کسی کو تحقیق کا حق حاصل ہی نہ ہو۔

زیر نظر تحریر میں حدیث موضوع سے متعلق اعتدال کی دعوت دی گئی ہے اور ان حضرات کو سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے جو حدیث کو موضوع کہنے میں بہت جلد بازی سے کام لیتے ہیں اور ساری دنیا سے اپنی تحقیق تسلیم کرانے کے لیے تشدد پر آمادہ ہوجاتے ہیں۔

جن احادیث کو لوگوں نے موضوع قرار دیا ہے، ان میں سند کے لحاظ سے بحث کی گنجائش ہونے کے باوجود مفہوم ومعنی کے اعتبار سے ان کو تین حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں:

۱۔ جو عام قواعد شرع کے بالکل مخالف ہو۔

۲۔ جو شریعت کے موافق ومؤید ہو۔

۳۔ جو نہ موافق ہو نہ مخالف ہو، بلکہ ترغیب وترہیب یا کسی امر مباح پر مشتمل ہو۔

موضوع بتائے بغیر پہلی قسم کا بیان کرنا اور کتابوں میں نقل کرنا سخت حرام ہے۔

دوسری اور تیسری قسم کی احادیث موضوعہ کو لکھنا یا بیان کرنا بھی درست نہیں ہے مگر اس صورت میں کہ اس کے موضوع ہونے یا نہ ہونے میں محدثین کا اختلاف ہو یا علما، فقہا و مشائخ نے اپنی کتابوں میں ایسی حدیثیں ذکر کی ہوں جن پر محدثین کو صرف اس لیے کلام ہو کہ انھیں یہ حدیثیں نہیں ملیں، یا ملیں بھی تو ایسی سند سے جن کے کچھ راوی محدثین کے نزدیک مجہول (نامعلوم) ہوں، ان کے حالات، طبقات و تراجم کی موجودہ کتابوں میں درج نہ ہوں۔

ایسی حدیثوں کی جگہ اگر صحیح یا حسن حدیث بیان کی جائے تو بہتر ہے، البتہ اگر کوئی ان احادیث کو بھی بیان کرتا ہے تو چراغ پا ہونے کی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ اولاً ایسی احادیث موضوعہ کا موضوع ہونا ہی یقینی نہیں ہے، ثانیاً اگر ان کے حکم وضع میں علمائے حدیث کا اختلاف ہو تو یہ اختلاف خود ان کے ضعیف ہونے کو بتاتا ہے، نہ کہ موضوع ہونے کو، اور

ثالثاً اگر ان احادیث کو مفسرین، فقہا یا صوفیا نے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے تو ان کا بیان کرنا اس احتمال کو پیدا کرتا ہے کہ ممکن ہے کہ وہ حدیثیں سنداً صحیح نہ ہوں کشف اور تجربہ صحیح ہوں، تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ بہتر یہی ہے کہ جہاں تک ہو سکے صحیح یا حسن احادیث ہی بیان کی جائیں۔

یہاں ایک اہم نکتے کی طرف اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ علمائے محدثین، اصحاب نقد وجرح تین گروہ میں بٹے ہوئے ہیں:

۱۔ متشدد: علما کا وہ گروہ جو حدیث پر حکم لگانے میں بہت سخت واقع ہوا ہے، یہ گروہ کسی حدیث کو رد کرنے میں افراط سے کام لیتا ہے اور حدود وقواعد وضوابط کو عبور کر جاتا ہے۔

۲۔ معتدل: علما کا وہ گروہ جو حدیث کے رد وقبول کرنے میں انصاف سے کام لیتا ہے اور سند ومتن دونوں پر نظر رکھتا ہے۔

۳۔ متساہل: علما کا وہ گروہ ہے جو حدیث قبول کرنے میں تساہل برتتا ہے۔

یہاں ایک چوتھے گروہ کا اضافہ مناسب معلوم ہوتا ہے اور وہ ہے متعصب گروہ، یہ علما کا ایسا گروہ ہے جو حدیث پر حکم لگانے میں طبعی میلان اور فکری رجحان کا خیال رکھتا ہے، اس گروہ کے علما ہر اس حدیث کو موضوع اور باطل کہنے کے درپے ہو جاتے ہیں جو حدیث ان کے افکار ونظریات سے ٹکرانے والی ہے۔

یہ بھی خیال رہے کہ جن علما کو ان تینوں یا چاروں خانوں میں رکھا گیا ہے یہ خود ظن اور تخمینہ ہے کیوں کہ شخصی احوال بدلتے رہتے ہیں، بسا اوقات ایک شخص کسی مسئلے میں سخت واقع ہوتا ہے جب کہ وہی شخص دوسرے مسئلے میں تساہلی سے کام لیتا ہے۔

اختلاف علما کی ایک مثال

سب سے پہلے کسی حدیث کے موضوع ہونے کے سلسلے میں اختلافِ علما کی ایک مثال ملاحظہ فرمائیں:

حضرت اسما بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول ہو رہا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر اقدس حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے گود میں تھا، اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عصر کی نماز ادا نہیں کی، یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: أَصَلَّيْتَ الْعَصْرَ يَا عَلِيُّ؟

علی! کیا تم نے عصر کی نماز ادا کر لی؟

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جواب دیا: نہیں!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی:

اَللّٰهُمَّ إِنَّ عَلِيًّا كَانَ فِي طَاعَتِكَ وَطَاعَةِ رَسُولِكَ فَارْدُدْ عَلَيْهِ الشَّمْسَ۔

یا اللہ! علی تیری اور تیرے رسول کی طاعت میں لگا ہوا تھا (اسی لیے اس کی عصر قضا ہو گئی ہے) تو سورج کو اس کے لیے لوٹا دے۔

حضرت اسما رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

جس طرح میں نے سورج کو ڈوبتے ہوئے دیکھا، اسی طرح اُسے ڈوبنے کے بعد نکلتے ہوئے دیکھا۔

یہ واقعہ سرزمین خیبر کے مقام صہبا میں رونما ہوا۔

اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم کبیر (مسند نسا، باب الف، ج: ۲۴، ص: ۱۴۷) میں سند صحیح سے روایت کیا ہے۔

امام طحاوی نے شرح مشکل الآثار (ج:۳،ص:۹۲، رقم: ۱۰۶۷) میں کئی سندوں سے ذکر کیا ہے۔

قاضی عیاض نے (متوفی: ۵۴۴ھ) اپنی کتاب شفا میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

جب کہ امام احمد ، ابن جوزی (موضوعات، ج:۱، ص: ۳۵۵) اور ابن تیمیہ (منہاج السنہ، ج:۸، ص: ۱۶۵) نے اس حدیث کو باطل اور موضوع کہا ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی نے اللآلی المصنوعۃ (ج:۱، ص:۳۰۸) میں، علامہ زرقانی نے شرح المواہب اللدنیۃ (ج:۱، ص:۳۲۳) میں اور علامہ شہاب الدین خفاجی نے شرح شفا میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور منکرین کا رد کرتے ہوئے تفصیلی بحث کی ہے۔

کیا متقدمین اور متأخرین محدثین کے درمیان اس قدر شدید اختلاف کے باوجود کسی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اس حدیث کو موضوع کہنے پر اصرار کرے؟؟

قبول علما سے حدیث بلا سند بھی معتبر ہے؟

فضائل کے باب میں علما نے ایسی حدیثیں بھی نقل کی ہیں جن کا کتب حدیث میں کہیں وجود نہیں ہے، بلکہ بعض علما نے بلا سند حدیث نقل کی اور بعد کے علما اپنی کتابوں میں انھیں سے نقل کرتے چلے آئے، کیونکہ وہ فضائل کے باب میں نقل حدیث کے لیے اتنا کافی سمجھتے ہیں کہ اسے کسی معتبر عالم نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہو، اگرچہ سند حدیث کا کوئی نام و نشان نہ ہو، اس کی بھی ایک مثال ملاحظہ فرمائیں؛

قاضی عیاض نے اپنی کتاب الشفا میں یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کسی بات پر گریہ فرما رہے تھے، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، گریہ فرمانے کی کیا وجہ ہے؟ جب کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ کا بلند منصب یہ ہے کہ اس نے اگرچہ آپ کو تمام انبیائے کرام کے بعد مبعوث فرمایا، لیکن آپ کے ذکر کو سب پر مقدم رکھا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ۞ (احزاب)

ترجمہ: ہم نے آپ سے، نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور دوسرے انبیا سے عہد لیا اور اللہ رب العزت کی بارگاہ میں آپ کی فضیلت اس درجے کی ہے کہ عذاب پانے والے دوزخی بھی یوں پکار اٹھیں گے:

یٰلَیْتَنَاۤ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ۞ (احزاب)

ترجمہ: کاش! ہم نے اللہ کی اطاعت کی ہوتی اور رسول کی اطاعت کی ہوتی۔ (باب: اول، فصل: سابع)

اس حدیث کی تخریج کرتے ہوئے علامہ خفاجی لکھتے ہیں کہ: اس حدیث کی تخریج میں علامہ سیوطی نے کہا کہ میں نے یہ حدیث کسی کتاب میں نہیں پائی، مگر عبداللہ رشاطی (متوفی: ۵۴۲ھ) نے ''اقتباس الانور'' اور ابن الحاج نے ''مدخل'' (متوفی: ۷۳۷ھ) میں ایک طویل حدیث کے ضمن میں اس کو ذکر کیا ہے۔ ایسی حدیثوں میں اتنی ہی سند کافی ہے کیونکہ اس کا تعلق احکام سے نہیں ہے: وکفی بذلك سندا لمثله فانه لیس مما یتعلق بالاحکام۔

خیال رہے کہ قاضی عیاض (متوفی:۵۴۴ھ)، علامہ عبداللہ بن علی لخمی رشاطی (متوفی:۵۴۲ھ)، اور علامہ ابن الحاج عبدری مکی (متوفی:۷۳۷ھ) نے بلا سند اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔ پھر علامہ رشاطی سے ابو العباس قصار نے ''شرح قصیدہ بردہ'' میں، علامہ احمد قسطلانی نے ''مواہب لدنیہ'' میں اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ''مدارج النبوۃ'' میں اس کو ذکر کیا ہے۔

تجربہ سے حدیث موضوع کی تائید

اگر فضائل کی حدیث سندِ ضعیف یا ایسے شخص سے روایت ہو جس پر جھوٹ کا الزام ہو یعنی حدیث کی روایت کے سلسلے میں اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا ہو مگر جو بات اس میں مذکور ہو وہ علما و صلحا کے تجربے سے صحیح ثابت ہو چکی ہے، تو علمائے کرام اس تجربہ ہی کو کمزور سند کی تائید کے لیے کافی سمجھتے ہیں کیونکہ روایت میں ضعف یا راوی کا متہم بالکذب ہونا ظنی تھا؛ تجربے نے اس ظن کو باطل کر دیا۔ اس کی ایک مثال ملاحظہ فرمائیں:

منذری نے (ترغیب وترہیب، ج:۱، ص:۲۷۵) میں لکھا ہے کہ حاکم نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

بارہ رکعات دن اور رات میں کبھی بھی ادا کرو، ہر دو رکعت کے درمیان قعدہ کرو، جب آخری قعدہ پورا کر چکو، تو اللہ کی حمد و ثنا کرو اور اللہ کے رسول ﷺ پر درود بھیجو، سجدے میں سورۂ فاتحہ سات مرتبہ اور آیت الکرسی سات مرتبہ پڑھو، پھر یہ دعا: لا إله إلا الله لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير۔ دس مرتبہ پڑھو۔

پھر یہ دعا: اللهم إني أسألك بمعاقد العز من عرشك ومنتهى الرحمة من كتابك واسمك الأعظم وجدك الأعلى وكلماتك التامة۔ پڑھو۔

پھر اپنی ضرورت اللہ سے طلب کرو، پھر اپنا سر اٹھاؤ، پھر دائیں اور بائیں جانب سلام پھیرو۔

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: یہ دعا بیوقوفوں کو مت بتاؤ کہ وہ جو بھی اللہ سے طلب کریں گے اللہ اسے عطا فرمائے گا۔

اس حدیث میں عمر بن ہارون ہے جس کو ائمہ جرح وتعدیل نے سخت مطعون، متروک، متہم بالکذب بلکہ کذّاب تک کہا ہے، جیسے امام احمد و امام نسائی و امام ابو علی نیشاپوری نے فرمایا: متروک الحدیث ہے، صالح جزرہ نے کہا کہ: کذّاب ہے۔

حافظ منذری اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

''حاکم نے کہا ہے کہ احمد ابن حرب، ابراہم ابن علی دیبلی، ابوزکریا اور خود میں نے اس حدیث کا تجربہ کیا اور درست پایا۔''

آگے اس حدیث کی روایت کو ضعیف بتانے کے بعد منذری لکھتے ہیں کہ ان جیسی حدیث میں اعتماد تجربہ پر ہوتا ہے نہ کہ اسناد پر: والاعتماد في مثل هذا على التجربة لا على الإسناد والله أعلم۔

کیا حدیث موضوع پر مطلقاً عمل حرام ہے؟

اگر باتفاق محدثین حدیث موضوع ہو اور اصل فعل پر کوئی ممانعت نہ ہو تو اس پر عمل کرنا جائز ہے، بلکہ اچھی نیت سے فعل مستحسن ہو جائے گا اور عمل کرنا مستحب ہوگا، کیونکہ نیت

عادت کوعبادت میں بدل دیتی ہے۔

مثلاً اگر کسی جھوٹے شخص نے کسی مقتدا شخصیت کی طرف منسوب کر کے کہا کہ اس نے کہا ہے کہ: سائنائٹ ایسا زہر ہے کہ آدمی زبان پر رکھتے ہی مر جائے گا، کوئی اس کا ذائقہ تک نہیں بتا پائے گا۔ تو یہ بات اس شخصیت کی طرف نظر کرتے ہوئے موضوع و باطل ہے، کیوں کہ اس نے یہ بات کسی سے ہرگز نہیں کہی، مگر عقل، تجربہ اور علمی مشاہدے کے اعتبار سے صد فیصد درست اور حق وصحیح ہے، اس لیے ہر معمولی عقل وفہم رکھنے والا شخص اس جھوٹے شخص کی بات مانے گا اور سائنائٹ سے پرہیز کرے گا، اگر چہ وہ جانتا ہو کہ وہ شخص جھوٹا ہے۔

درمختار میں ہے: أما الموضوع فلا يجوز العمل به بحال (ج:۱،ص:۱۳۸) یعنی حدیث موضوع پر عمل کرنا کسی بھی حال میں جائز نہیں۔

علامہ طحطاوی اس کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

جس فعل کے بارے میں حدیث موضوع وارد ہے اسے اسی وقت کرنا منع ہے جب کہ وہ فعل شریعت کے خلاف ہو اور اگر ایسا نہیں تو اسے کرنے میں کوئی حرج نہیں، اس لیے نہیں کہ اس کا حکم حدیث موضوع میں آیا ہے بلکہ اس لیے کہ عام مباحات کے تحت داخل ہے۔

اب ہم اس کی بھی مثال پیش کرتے ہیں کہ حدیث موضوع ہونے کے باوجود علما و مشائخ نے اس پر عمل کیا ہے۔

ملا علی قاری ''موضوعات کبیر'' میں وضو میں ہر عضو کے لیے الگ الگ دعا پڑھنے کی حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: اس باب کی ساری حدیثیں باطل اور موضوع ہیں لیکن یہ جان لو کہ وضو کی ان دعاؤں کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہونا، اس کے موضوع اور بدعت ہونے پر دلالت نہیں کرتا، بلکہ ان دعاؤں کا پڑھنا مستحب ہے۔

✲✲✲

میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک موقع پر

ماہنامہ **خضر راہ** الہ آباد کی خصوصی پیش کش

پیغام سیرت

(مدنی زندگی کے حوالے سے)

جس میں آپ پڑھ سکیں گے:

- حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی کیسی تھی؟
- حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی کی نمایاں خصوصیات کیا تھیں؟

ضیاء الرحمن علیمی

شفاعت رسول: احادیث صحیحہ کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَشۡفَعُ عِنۡدَهٗۤ اِلَّا بِاِذۡنِهٖ ؕ (بقرہ)

ترجمہ: کون ہے جو رب تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کرے گا؟

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کی اجازت سے کچھ لوگوں کو شفاعت کا حق حاصل ہوگا۔ ان میں سب سے پہلے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حق حاصل ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ، فَتَعَجَّلَ كُلُّ نَبِيٍّ دَعْوَتَهُ، وَإِنِّي اخْتَبَأْتُ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَهِيَ نَائِلَةٌ إِنْ شَاءَ اللهُ مَنْ مَاتَ مِنْ أُمَّتِي لَا يُشْرِكُ بِاللهِ شَيْئًا۔ (مسلم، کتاب الایمان)

ترجمہ: ہر نبی کی ایک دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ ہر نبی نے اس دعا کو دنیا میں ہی استعمال کر لیا لیکن میں نے اس دعا کو قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لیے بچا کر رکھ لیا ہے اور ان شاء اللہ میری شفاعت میری امت کے ان تمام افراد کو حاصل ہوگی جو شرک سے پاک اس دنیا سے رخصت ہوئے ہوں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن کی شفاعت فرمائیں گے ان کے لحاظ سے قیامت کے دن آپ کی مندرجہ ذیل شفاعتوں کا ظہور ہوگا:

۱۔ شفاعت کبریٰ
۲۔ جناب ابو طالب کے عذاب میں تخفیف
۳۔ جنت کا دروازہ کھلوانا
۴۔ حساب کے بغیر دخول جنت
۵۔ جنتیوں کے درجات کی بلندی
۶۔ مستحق جہنم کا جنت میں داخلہ
۷۔ جہنم میں داخل افراد کی رہائی
۸۔ اہل توحید کا جنت میں داخلہ

شفاعت کی ابتدائی تین قسمیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہیں اور بروز قیامت آپ کے علاوہ کسی کو بھی اس کا حق حاصل نہیں ہوگا، شفاعت کی باقی قسموں کا حق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے دوسرے انبیا و مقربین اور صالحین کو بھی حاصل ہوگا۔ شفاعت کی مذکورہ بالا قسموں کی تفصیل اس طرح ہے۔

● **شفاعت کبریٰ**

اس سے کیا مراد ہے؟ اسے معلوم کرنے کے لیے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت پڑھتے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قیامت کے دن میں تمام لوگوں کا سردار ہوں گا اور تم لوگوں کو معلوم ہے کہ ایسا کیسے ہوگا؟ اللہ تعالیٰ اولین و آخرین کو قیامت کے روز ایک ہموار سرزمین پر اس طرح جمع فرمادے

گا کہ سب لوگ پکارنے والے کی آواز سن لیں گے اور دیکھنے والے کی نگاہ بیک وقت سب تک پہنچے گی۔ سورج قریب آجائے گا اور اس کی وجہ سے لوگوں کو وہ غم اور وہ مصیبت لاحق ہوگی جس کو برداشت کرنے کی ان میں طاقت نہیں ہوگی۔ کچھ لوگ دوسرے کچھ لوگوں سے کہیں گے کہ جس مصیبت میں تم لوگ گرفتار ہو وہ تم نہیں دیکھ رہے ہو؟ جو مصیبت تمہارے اوپر آئی ہے وہ تم کو معلوم نہیں ہے؟ کیا تم لوگ کسی ایسے مقرب بارگاہ کو تلاش نہیں کروگے جو رب تعالیٰ کی بارگاہ میں تمہاری شفاعت کریں؟ تو کچھ لوگ دوسرے کچھ لوگوں سے کہیں گے کہ چلو! حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس چلتے ہیں۔ چنانچہ لوگ حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے:

اے آدم! (علیہ الصلاۃ والسلام) آپ ابوالبشر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دست قدرت سے بنایا اور آپ اپنی طرف سے روح ڈالی اور فرشتوں کو آپ کے لیے سجدے کا حکم دیا۔ آپ اپنے رب کی بارگاہ میں ہماری شفاعت فرمائیں۔

دیکھتے نہیں کہ ہم کس مصیبت میں گرفتار ہیں؟ ہمارے اوپر کون سی بلا آپڑی ہے؟ یہ سن کر حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام جواب دیں گے: میرا رب آج اس قدر غیظ وغضب میں ہے کہ اس سے پہلے نہ کبھی ہوا اور نہ کبھی آئندہ ہوگا۔ اس نے مجھے درخت کا پھل کھانے سے منع کیا تھا لیکن مجھ سے لغزش ہوگئی، مجھے تو اپنی فکر ہے، مجھے تو اپنی فکر ہے (نفسی نفسی)

یہ معاملہ تمام انبیا سے گزر کر آخر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے گا اور لوگ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر شفاعت کی گزارش کریں گے۔ اس کے بعد کیا ہوگا؟ آگے کے واقعے کی روایت کرتے ہوئے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فَأَنْطَلِقُ، فَآتِي تَحْتَ الْعَرْشِ، فَأَقَعُ سَاجِدًا لِرَبِّي، ثُمَّ يَفْتَحُ اللهُ عَلَيَّ وَيُلْهِمُنِي مِنْ مَحَامِدِهِ، وَحُسْنِ الثَّنَاءِ عَلَيْهِ شَيْئًا لَمْ يَفْتَحْهُ لِأَحَدٍ قَبْلِي، ثُمَّ يُقَالُ: يَا مُحَمَّدُ، إِرْفَعْ رَأْسَكَ، سَلْ تُعْطَهْ، اشْفَعْ تُشَفَّعْ۔ (مسلم، کتاب الایمان)

ترجمہ: پھر میں عرش کے نیچے جا کر اپنے رب کے حضور سجدہ کروں گا، تو اللہ تعالیٰ میرا سینہ کھول دے گا اور میرے دل میں حمد وثنا کے ایسے کلمات ڈالے گا جو مجھ سے پہلے کسی کے دل میں نہیں ڈالے گئے تھے۔ پھر کہا جائے گا: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنا سر اٹھایئے، مانگیے آپ کو دیا جائے گا، شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔

● جناب ابوطالب کے عذاب میں تخفیف

قیامت کے روز حضور کی شفاعت سے جناب ابوطالب کو بھی فائدہ پہنچے گا، چنانچہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لَعَلَّهُ تَنْفَعُهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

(بخاری، باب قصۃ ابی طالب)

ترجمہ: امید ہے کہ قیامت کے دن میری شفاعت سے اس کو فائدہ پہنچے گا۔

● استفتاح باب جنت (جنت کا دروازہ کھلوانا)

شفاعت کی ایک قسم یہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھلوائیں گے۔ شفاعت کی اس قسم کا ذکر بھی احادیث صحیحہ میں موجود ہے۔ چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

آتِي بَابَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَسْتَفْتِحُ، فَيَقُولُ الْخَازِنُ: مَنْ أَنْتَ؟ فَأَقُولُ: مُحَمَّدٌ، فَيَقُولُ: بِكَ أُمِرْتُ لَا أَفْتَحُ لِأَحَدٍ قَبْلَكَ۔ (مسلم، کتاب الایمان)

ترجمہ: میں قیامت کے دن جنت کے دروازے پر آ کر اس کا دروازہ کھلواؤں گا تو جنت کا دربان کہے گا: آپ کون ہیں؟ میں کہوں گا: محمد۔ تو وہ کہے گا کہ مجھے آپ ہی کے لیے دروازہ کھولنے کا حکم دیا گیا ہے، میں آپ سے پہلے کسی کے لیے جنت کا دروازہ نہیں کھولوں گا۔

● حساب کے بغیر دخول جنت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے آپ کی امت کی ایک جماعت بغیر حساب و کتاب جنت میں داخل ہوگی، اس کا ذکر بھی احادیث صحیحہ میں موجود ہے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے یہ فرماتے ہوئے سنا:

وَعَدَنِي رَبِّي أَنْ يُدْخِلَ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي سَبْعِينَ أَلْفًا لَا حِسَابَ عَلَيْهِمْ وَلَا عَذَابَ مَعَ كُلِّ أَلْفٍ سَبْعُونَ أَلْفًا وَثَلَاثُ حَثَيَاتٍ مِنْ حَثَيَاتِهِ۔ (سنن ترمذی، باب ماجاء فی الشفاعۃ)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمالیا ہے کہ میری امت سے ستر ہزار افراد کو جنت میں بغیر عذاب و حساب داخل فرمادے گا اور ان میں سے ہر ہزار کے ساتھ مزید ستر ہزار کو داخل فرمادے گا، نیز اللہ تعالیٰ اپنی مٹھی سے تین مٹھیاں بھی جنت میں ڈال دے گا۔

● جنتیوں کے درجات کی بلندی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے جنتیوں کی ایک جماعت کے درجات بلند کیے جائیں گے، اس کا ذکر بھی احادیث صحیحہ میں موجود ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يَدْخُلُ مِنْ أُمَّتِي الْجَنَّةَ سَبْعُونَ أَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ، فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللهِ، ادْعُ اللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ، قَالَ: اللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ مِنْهُمْ، ثُمَّ قَامَ آخَرُ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، ادْعُ اللهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ قَالَ: سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ۔

(مسلم، کتاب الایمان)

ترجمہ: میری امت کے ستر ہزار افراد بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ! دعا فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان لوگوں میں شامل فرمادے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یااللہ! اس شخص کو ان لوگوں میں شامل فرمادے۔ پھر ایک شخص اور کھڑا ہوا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ! میرے لیے بھی دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان لوگوں میں سے کردے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عکاشہ! تم پر سبقت لے جاچکا ہے۔

اس حدیث میں حضرت عکاشہ کا ذکر ہے جو صحابی ہیں اور قرآن کی صراحت کے مطابق تمام صحابہ جنتی ہیں، اللہ تعالیٰ سورۂ نسا میں ارشاد فرماتا ہے:

وَكُلًّا وَعَدَ اللهُ الْحُسْنٰى ﴿۹۵﴾ (تمام صحابہ سے اللہ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے)

اس طرح حضرت عکاشہ جو پہلے سے ہی جنتی تھے انھوں نے بھی حضور سے درجات کی بلندی کے لیے شفاعت طلب کی اور پھر حضور کی شفاعت کی برکت سے وہ اس جماعت میں شامل ہوگئے جو بغیر حساب وعذاب کے جنت میں داخل ہوگی۔

مستحق جہنم کا جنت میں داخلہ

● نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے آپ کی امت کی ایک وہ جماعت جنت میں داخل ہوگی جن کو جہنم میں داخل کیے جانے کا حکم ہو چکا ہوگا۔ اس کا ذکر بھی احادیث صحیحہ میں موجود ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَمِنْهُمْ مَن يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ بِرَحْمَةِ اللهِ وَ مِنْهُمْ مَن يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ بِشَفَاعَتِيْ فَمَا أَزَالُ أَشْفَعُ حَتّٰى أُعْطٰى صَكَاكًا بِرِجَالٍ قَدْ بُعِثَ بِهِمْ إِلَى النَّارِ۔ (مستدرک للحاکم، کتاب الایمان)

ترجمہ: کچھ لوگ اللہ کی رحمت سے جنت میں داخل ہوں گے اور کچھ میری شفاعت سے جنت میں داخل ہوں گے، پھر میں شفاعت کرتا رہوں گا، یہاں تک کہ مجھے ان لوگوں کو بھی جنت میں لے جانے کا پروانہ مل جائے گا جنھیں جہنم کی طرف روانہ کیا جا چکا ہوگا۔

حضرت انس بن مالک سے مروی ایک حدیث پاک میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: شَفَاعَتِيْ لِأَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ أُمَّتِيْ۔ (سنن ابوداؤد، باب فی الشفاعۃ)

ترجمہ: میں اپنی امت کے ان لوگوں کی بھی شفاعت کروں گا جو گناہ کبیرہ کرنے والے ہیں۔

● جہنم میں افراد کی رہائی

قیامت کے دن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے وہ لوگ بھی جنت میں داخل کیے جائیں گے جو جہنم میں داخل ہو چکے ہوں گے۔ اس کا تذکرہ بھی احادیث صحیحہ میں موجود ہے۔ چنانچہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَخْرُجُ قَوْمٌ مِنَ النَّارِ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ، يُسَمُّوْنَ الْجَهَنَّمِيِّيْنَ۔

(بخاری، باب صفۃ الجنۃ والنار)

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شفاعت سے ایک قوم جہنم سے نکل کر جنت میں داخل ہو جائے گی اور ان کا نام جہنمی ہوگا۔

اہل توحید کا جنت میں داخلہ

● قیامت کے دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے ان لوگوں کو بھی جنت میں داخل کیا جائے گا جو یہ عقیدہ رکھتے رہے ہوں گے کہ اللہ ایک ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ احادیث صحیحہ سے یہ بات بھی ثابت ہے۔ چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يَا رَبِّ إِئْذَنْ لِيْ فِيْمَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ. قَالَ: لَيْسَ ذَاكَ لَكَ - أَوْ قَالَ: لَيْسَ ذَاكَ إِلَيْكَ - وَلٰكِنْ وَعِزَّتِيْ وَ كِبْرِيَائِيْ وَعَظَمَتِيْ وَجِبْرِيَائِيْ لَأُخْرِجَنَّ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ۔

(مسلم، کتاب الایمان)

ترجمہ: میں اللہ رب العزت کی بارگاہ میں عرض کروں گا: یا اللہ! مجھے ان لوگوں کی شفاعت کی اجازت عطا فرما جنھوں نے اس بات کی گواہی دی ہے کہ: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: یہ آپ کا حصہ نہیں۔ یا یہ فرمائے گا: یہ شفاعت آپ کے سپرد نہیں ہے۔ لیکن مجھے اپنی عزت، جلال، عظمت و جبروت اور کبریائی کی قسم ہے میں ان لوگوں کو جہنم سے ضرور نکالوں گا جنھوں نے ایک بار بھی اللہ کے ایک ہونے کی گواہی دی ہے۔

●●●

جہاں گیر حسن مصباحی

ظلم اور اس کی نوعیتیں

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَ مَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴿۲۲۹﴾ (بقرہ)

جو اللہ کے حدود سے آگے بڑھتے ہیں وہی لوگ ظالم ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہر وہ عمل جو اللہ کے قانون اور حدود کے خلاف ہو وہ ظلم ہے اور جو اللہ کے قانون و حدود کی خلاف ورزی کرے، وہ ظالم ہے۔ بھلا وہ کیسے اللہ کو محبوب ہو سکتا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نہ تو ظالموں کو پسند فرماتا ہے (وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ﴿۵۷﴾ آل عمران)، نہ ان کے ظلم کی وجہ سے انھیں ہدایت دیتا ہے (اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ﴿۵۰﴾ قصص) اور نہ قیامت میں انھیں نقصان کے سوا کچھ حاصل ہوگا۔ (وَلَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا﴿۸۲﴾ اسرا)

حالانکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، (اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ) تمام عالم کا پالنہار ہے (رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ) ہر چھپی اور ظاہر چیزوں کا جاننے والا ہے (عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ) پھر وہ جو چاہے اور جیسے چاہے حکم چلانے کی طاقت رکھا ہے، (یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ، وَیَفْعَلُ مَا یَشَاءُ) اس کے باوجود اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا، بلکہ خود انسان اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ النَّاسَ شَیْئًا وَّلٰکِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَھُمْ یَظْلِمُوْنَ﴿۴۴﴾ (یونس)

ترجمہ: بے شک اللہ لوگوں پر ظلم نہیں فرماتا لیکن لوگ خود اپنے اوپر ظلم کر لیتے ہیں۔

اس آیت میں ''اللہ لوگوں پر ظلم نہیں فرماتا'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی نفس کو برائی کا حکم نہیں دیتا ہے کہ وہ دنیا میں پریشان ہو، یا پھر آخرت میں عذاب کا شکار ہو، بلکہ اللہ ہمیشہ نیک باتوں کا حکم دیتا ہے اور زندگی کے ہر موڑ پر فلاح و نجات کی رہنمائی فرماتا ہے، جس کے لیے اللہ نے مختلف کتابیں نازل فرمائیں، کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا و مرسلین بھیجے اور آج بھی وہ اولیا اور علما کو انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے بھیج رہا ہے۔ اس کے برعکس انسان دنیا کی لالچ میں پڑ کر گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، چند روزہ عیش و راحت حاصل کرنے کے لیے اللہ کی نافرمانی کر بیٹھتا ہے اور شیطان کے بہکاوے میں آ کر آخرت کے انجام کو بھلا دیتا ہے، جس کا نتیجہ عذاب کی شکل میں اس کے سامنے آتا ہے۔

ظلم کی نوعیتیں

عام طور پر لوگ یہی خیال کرتے ہیں کہ ظلم صرف طاقتور ہی انسان کر سکتا ہے اور کمزور نہیں، جب کہ یہ حقیقت نہیں ہے، اس لیے کہ ظلم کا معنی صرف یہی نہیں ہے کہ کسی پر زور زبردستی کیا جائے، بلکہ ظلم کا معنی گناہ اور بے انصافی بھی ہے اور گناہ و بے انصافی ہر کسی سے ممکن ہے، چاہے طاقت ور

انسان ہو، چاہے کمزور۔ مختصر یہ کہ طاقتور اور کمزور دونوں ظلم کا ارتکاب کر سکتا ہے اور وہ یوں کہ اگر مالک ہے تو مزدور کو مناسب مزدوری نہ دے اور مزدور ہے تو کام میں کوتاہی کرے، اگر بادشاہ ہے تو رعایہ کی مناسب دیکھ بھال نہ کرے اور رعایہ ہے تو ایمانداری سے خدمت انجام نہ دے، یا پھر اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوتے ہوئے بھی اس کی ذات اور صفات پر ایمان نہ لائے۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو تسلیم نہ کرنا، یا ان دونوں حقوق کی ادائیگی نہ کرنا، یا اس کی ادائیگی میں سستی اور کاہلی سے کام لینا بھی ظلم میں شامل ہے۔

● حقوق اللہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات (کماھو باسمائہ وصفاتہ) پر ایمان لانا، جس کی تفصیل سورۂ اخلاص میں یوں ملتی ہے کہ:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ﴿۱﴾ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ﴿۲﴾ لَمْ يَلِدْ وَ لَمْ يُوْلَدْ ﴿۳﴾ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴿۴﴾

ترجمہ: اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ وہ کسی کا باپ ہے اور نہ کوئی اس کا بیٹا اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے۔

اب اگر کوئی شخص چند خداؤں کو مانتا ہے، اس کے باپ ہونے یا اس کے بیٹے ہونے میں یقین رکھتا ہے، یا اس کے برابر کسی کو بتاتا ہے تو یہ شرک ہے اور بہت بڑا ظلم ہے، جیسا کہ حضرت لقمان اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کلام مقدس میں فرماتے ہیں: يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۳﴾ (لقمان)

ترجمہ: بیٹے! اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، کیوں کہ شرک عظیم ظلم ہے۔

اسی طرح اللہ کی کتابوں کو نہ ماننا، اس میں کمی بیشی کرنا، اس کے رسولوں پر ایمان نہ لانا، فرشتوں کو نہ ماننا، یا فرشتوں کو اللہ کی اولاد بتانا وغیرہ یہ سب ظلم ہے۔

● حقوق العباد میں خواص سے لے کر عام بندوں کے حقوق شامل ہیں، جیسے: انبیا و اولیا کے حقوق، مرشد کے حقوق، استاذ کے حقوق، والدین کے حقوق، پڑوسیوں کے حقوق، رشتے داروں کے حقوق، معاشرت کے حقوق، ملک کے حقوق، مزدوروں کے حقوق، یتیموں کے حقوق، محتاجوں کے حقوق، وغیرہ، اگر ان تمام حقوق کو ادا نہیں کیا جاتا ہے، تو یہ بات یاد رہے کہ ایسا کرنا نہ صرف حق تلفی ہے بلکہ ظلم بھی ہے۔

چنانچہ اگر حقوق اللہ اور حقوق العباد کے اعتبار سے اپنے اعمال کا جائزہ لیں تو ہمارے بہت سے اعمال ایسے ہیں جو ظلم میں شامل ہیں مگر ہم اور آپ انھیں ظلم خیال نہیں کرتے، مثال کے طور پر فرائض اور واجبات کی ادائیگی میں سستی اور کاہلی سے کام لینا، احکام الٰہی کے خلاف عمل کرنا، چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کی تعظیم نہ کرنا، ذات برادری کے نام پر فرق و امتیاز کرنا، اپنے عہدوں اور منصبوں کا غلط فائدہ اٹھانا، حق کا ساتھ نہ دینا اور ناحق کام کو بڑھاوا دینا، دنیا کے لیے بغض وحسد رکھنا، جب کہ دین کے لیے دوستی کرنے سے دور بھاگنا، استاذ کا شاگرد سے تعصب رکھنا اور اپنے غیر علاقائی شاگرد کے مقابلے علاقائی شاگرد کی طرف داری کرنا، بچوں کی صحیح تربیت

نہ کرنا اور ماں باپ سے بدسلوکی کرنا، برائی ختم کرنے کی طاقت ہونے کے باوجود اُسے ختم کرنے کی کوشش نہ کرنا، اپنے گھر کی اصلاح نہ کرنا اور اصلاح کے نام پر دوسروں کو برا بھلا کہنا۔ علما کا آپس میں اس طرح اختلاف جس سے دین کو نقصان پہنچے اور ان کا ایسی دوستی کرنا جس سے دین کو کچھ فائدہ نہ ہو، محض دشمنی اور عناد کی بنیاد پر کسی کی مخالفت کرنا، مشائخ کا عوام الناس کی اصلاح کی جانب توجہ نہ دینا، مالداروں کا دین کی اشاعت میں حصہ نہ لینا، دین کے نام پر مالداروں سے مال لینا اور حیلۂ شرعی کا سہارا لے کر اُسے بے جا استعمال کرنا وغیرہ۔

ان تمام اعمال سے بالواسطہ یا بلاواسطہ کسی نہ کسی کو نقصان ضرور پہنچتا ہے، اس لیے ایسا کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ جانے انجانے میں ہمارا شمار بھی ظالموں میں ہوجائے اور ہم اللہ تعالیٰ کی رحمت و بخشش سے محروم ہوجائیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الظُّلْمُ ثَلَاثَةٌ: ظُلْمٌ لَا يُغْفَرُ، وَظُلْمٌ لَا يُتْرَكُ، وَظُلْمٌ يُغْفَرُ، فَأَمَّا الظُّلْمُ الَّذِي لَا يُغْفَرُ، فَالشِّرْكُ بِاللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَأَمَّا الظُّلْمُ الَّذِي لَا يُتْرَكُ، فَظُلْمُ النَّاسِ بَعْضِهِمْ بَعْضًا، وَأَمَّا الظُّلْمُ الَّذِي يُغْفَرُ، فَظُلْمُ الْعَبْدِ نَفْسَهُ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ رَبِّهِ عَزَّ وَجَلَّ۔

(شرح السنہ للبغوی، کتاب الرقاق)

ترجمہ: ظلم تین طرح کا ہوتا ہے، ایک ایسا ظلم جس کی بخشش نہیں کی جاتی۔ دوسرا ایسا ظلم جو چھوڑا نہیں جاتا اور تیسرا ایسا ظلم جسے معاف نہیں کیا جاتا۔ جس ظلم کی بخشش نہیں ہوتی وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا ہے، جس ظلم کو چھوڑا نہیں جاتا وہ بعض لوگوں کا بعض کے ساتھ ظلم کرنا ہے اور جس ظلم کی معافی نہیں ہوتی وہ بندے کا اپنے نفس کے ساتھ ظلم کرنا ہے جو اُس کے اور اُس کے رب کے درمیان کا معاملہ ہے۔

اس حدیث سے واضح طور پر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد، ہر دو حقوق کو ادا کرنا انصاف ہے اور ادا نہ کرنا بے انصافی اور ظلم ہے۔

أَلَا مَنْ ظَلَمَ مُعَاهَدًا أَوِ انْتَقَصَهُ أَوْ كَلَّفَهُ فَوْقَ طَاقَتِهِ أَوْ أَخَذَ مِنْهُ شَيْئًا بِغَيْرِ طِيبِ نَفْسٍ فَأَنَا حَجِيجُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (سنن ابوداؤد، کتاب الخراج والامارۃ)

ترجمہ: سنو! جس کسی نے معاہد پر ظلم کیا، یا اس کو نقصان پہنچایا، یا اس کی طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ ڈالا، یا اس کی مرضی کے بغیر اس سے کوئی چیز لی، تو میں قیامت کے دن اس سے لڑائی کروں گا۔

اس حدیث میں بالخصوص بندوں کے ساتھ ناانصافی کو ظلم قرار دیا گیا ہے جو حقوق العباد سے تعلق رکھتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يَا عِبَادِي إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلَى نَفْسِي، وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا، فَلَا تَظَالَمُوا ...(مسلم، باب تحریم الظلم)

ترجمہ: اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام کرلیا ہے اور تمہارے درمیان بھی حرام کردیا ہے تو سنو! تم

آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔

یعنی نہ کسی کو ستاؤ، نہ کسی پر ظلم کرو اور نہ ہی کسی کا حق مارو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اتَّقُوا الظُّلْمَ، فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَاتَّقُوا الشُّحَّ، فَإِنَّ الشُّحَّ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، حَمَلَهُمْ عَلَى أَنْ سَفَكُوا دِمَاءَهُمْ وَاسْتَحَلُّوا مَحَارِمَهُمْ۔

(مسلم، باب تحریم الظلم)

ترجمہ: ظلم سے بچو کیوں کہ ظلم قیامت کی تاریکیوں میں سے ہے اور لالچ وبخل سے بھی بچو، اس لیے کہ لالچ وبخل نے تم سے پہلے بھی لوگوں کو اس طور پر ہلاک کیا کہ انھوں نے آپس میں لوٹ مار اور قتل وقتال کیا اور حرام چیزوں کو حلال بنالیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لالچ اور بخل کو ظلم کے ساتھ بیان کر کے اس بات کی جانب اشارہ فرمایا ہے کہ لالچ اور بخل کرنا بھی ظلم ہے۔ لالچ تو اس لیے کہ اس کی وجہ سے نفس کو مشقت اور تکلیف میں ڈالنا ہے (اللہ تعالیٰ کسی نفس پر اُس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ بقرہ:۲۸۶) اور بخل تو اس لیے کہ اس کی وجہ سے نفس کو جہنم کی طرف لے جانا ہے (بخیل اللہ سے دور ہے، جنت سے دور ہے اور جہنم سے قریب ہے۔ (شعب الایمان، باب: جودوسخا) اور نفس کو چاہے مشقت میں ڈالا جائے، چاہے جہنم کی طرف ڈھکیلا جائے یہ دونوں ظلم ہے۔

نکتہ: جس طرح نفس جو جسم کا ایک حصہ ہے اُسے تکلیف اور پریشانی میں ڈالنا ظلم ہے، اسی طرح دوسرے اعضا بھی جسم کے حصے ہیں، ان اعضا سے بھی ناجائز اور حرام کام لینا ان پر ظلم ہے، جیسے بری چیز کا دیکھنا آنکھ پر ظلم ہے، برا کام کرنا ہاتھ پر ظلم ہے اور غلط جگہوں پر جانا پاؤں پر ظلم ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

أَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يسلمهُ مَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللّٰهُ فِي حَاجَتِهِ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

(بخاری، کتاب المظالم والغصب)

ترجمہ: مسلمان؛ مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اُسے ظلم میں چھوڑتا ہے، اگر کوئی اپنے بھائی کا ساتھ اس کی پریشانی میں دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی پریشانی میں اس کا ساتھ دیتا ہے، جس نے اپنے مسلم بھائی کی پریشانی دور کی اللہ قیامت میں اس کی پریشانیوں کو دور فرمائے گا اور جس نے کسی مسلم بھائی کی پردہ پوشی کی اللہ تعالیٰ قیامت میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔

اس حدیث پاک سے واضح ہوتا ہے کہ صرف مارنا پیٹنا، یا قتل وغیرہ کرنا ہی ظلم نہیں ہے، بلکہ اپنے بھائی کی پریشانی کو دور نہ کرنا اور اس کے عیبوں کو نہ چھپانا بھی ظلم ہے، بلکہ حقیقت میں دیکھا جائے تو انسان کے ہر اس عمل کو ظلم میں شمار کیا جا سکتا ہے جس سے کسی مخلوق کو تکلیف اور نقصان پہنچے۔

اس لیے ہمیں ہر حال میں اللہ کی نافرمانی اور اس کی مخلوق کو تکلیف دینے سے پرہیز کرنا چاہیے۔

✲✲✲

محمد مدثر رضا مصباحی

راہ طریقت کے رہنما اصول

دنیاوی ترقی ہو، یا دینی ترقی اُسے حاصل کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ قاعدے اور قوانین ہوتے ہیں جن پر عمل کر کے انسان کامیابی کی راہیں طے کرتا ہے، اسی طرح سلوک و معرفت کی منزلیں طے کرنے کے لیے بھی کچھ اصول اور ضابطے ہیں جن پر عمل کیے بغیر راہ طریقت میں کامیابی مشکل ہے، جیسے:

توبہ و استغفار: اس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ پچھلے تمام گناہوں پر شرمندہ ہو، اپنے ہر عضو کو گناہ کبیرہ اور صغیرہ سے بچانے کا پکا ارادہ کرے اور مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ ہو کر توبہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝۳۱ (نور) ترجمہ: اے ایمان والو! تم مکمل طور پر اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو، تاکہ فلاح پاؤ۔

مذکورہ بالا آیت میں لفظ تُفْلِحُوْنَ کے مطلق ہونے کی وجہ سے دنیا و آخرت دونوں کی کامیابی مراد ہوسکتی ہے۔ اُخروی کامیابی اس طور پر ہے کہ بندہ توبہ کر لینے کی وجہ سے جہنم کی آگ سے محفوظ رہے گا اور دنیاوی کامیابی اس طور پر ہے کہ مال و دولت میں ترقی ہوگی اور کوئی حیرانی و پریشانی بھی نہ ہوگی۔

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ توبہ کا معنی و مطلب، محل کے اعتبار سے بدلتا رہتا ہے، جیسے کافر و مشرک اپنے کفر و شرک سے توبہ کرتا ہے، گنہ گار اپنے گناہ سے اور طریقت کی راہ میں ایک مقام پر ٹھہر جانے والے ایک مقام پر ٹھہر جانے سے توبہ کرتے ہیں۔ چنانچہ اس حدیث پاک کا یہی مطلب ہے کہ: إِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِي كُلِّ يَوْمٍ سَبْعِيْنَ۔

(بخاری، استغفار النبی)

میں روزانہ اللہ کی بارگاہ میں ستر بار استغفار کرتا ہوں۔

ورنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے توبہ کرنے کا مطلب کیا ہے؟ مقصد یہی ہے کہ ہر شخص اپنے اپنے مراتب کے اعتبار سے توبہ کرے اور مکمل طور سے اپنے آپ کو ستھرا کرنے کی کوشش کرے۔

صبر و شکر: صبر کا مطلب یہ ہے کہ بندہ خواہشات نفسانی کو چھوڑ دے، یعنی فرائض اور واجبات ادا کرے، حرام، مکروہ تحریمی اور ناپسندیدہ اعمال سے بچے اور ہر حال میں اللہ کی اطاعت پر مضبوطی سے قائم رہے اور اس راہ میں پیش آنے والی ہر طرح کی مصیبتوں کو خوشی خوشی برداشت کرے۔ ایسے ہی لوگوں پر اللہ کی خاص رحمتیں ہوتی ہیں۔ ارشاد باری ہے:

وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ۝۱۵۵ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۝۱۵۶ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ۝۱۵۷ (بقرہ)

ترجمہ: اے محبوب! صبر کرنے والوں کو بشارت دے دیں کہ جب انھیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور اللہ ہی کی جانب لوٹنے والے ہیں، ان ہی پر اللہ کی خاص رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

مذکورہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے ظاہری تکلیف دہ چیزوں پر صبر کرنے والوں کو بشارت بھی دی ہے اور اپنی خاص

رحمتوں کا وعدہ بھی فرمایا ہے اور ان ہی لوگوں کو ہدایت یافتہ قرار دیا ہے۔

شکر کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے اور اس کی نعمت کا غلط استعمال نہ کرے، بلکہ بندہ جس حال میں بھی ہو، اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کا صحیح استعمال کرے اور اس نعمت کے ملنے پر اللہ کا ذکر اور اس کی حمد وثنا کثرت سے کرے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ﴿۱۵۲﴾ (بقرہ)

ترجمہ: تم میرا ذکر کرو، میں تم کو یاد کروں گا اور تم میرا شکر ادا کرو، نافرمانی نہ کرو۔

خوف ورجا: خوف دل کی ایک حالت کا نام ہے جس کی وجہ سے انسان اپنی لغزشوں اور گناہوں پر خوب گریہ وزاری کرتا ہے۔ بعض لوگوں کے خوف کا عالم یہ ہوتا ہے کہ اگر کہیں سے یہ آواز دے دی جائے کہ ایک شخص کے علاوہ کوئی جہنم میں نہیں جائے گا تو انھیں یہ یقین ہوجاتا ہے کہ وہ شخص وہی ہے، ایسی ہی حالت رکھنے والوں کے لیے اللہ کی خاص رحمت ورضا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ﴿۱۵۴﴾ (اعراف)

ترجمہ: جو اپنے رب سے خوب ڈرتے ہیں، ان کے لیے خاص رحمت اور ہدایت ہے۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے: رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ﴿۸﴾ (بینہ)

ترجمہ: خوف رکھنے والے بندوں سے اللہ راضی ہے اور ایسے بندے بھی اللہ سے راضی ہیں۔

غوث اعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے جب خوف کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

خوف کی بہت ساری قسمیں ہیں، جیسے: گناہ گاروں کا عذاب الٰہی سے خوف کھانا، عابدوں کا اس بات سے خوف کھانا کہ کہیں اس کی عبادت کا ثواب ہاتھ سے چلا نہ جائے، عالموں کا اس بات سے خوف کھانا کہ کہیں ان کی نیکیوں میں شرک خفی کی ملاوٹ نہ ہوجائے، عاشقان الٰہی کا اس بات سے خوف کھانا کہ کہیں وہ اپنے مولیٰ کی ملاقات سے محروم نہ جائیں اور عارفین باللہ کا اللہ کے جلال اور اس کی عظمت سے خوف کھانا۔ (بہجۃ الاسرار، ص: ۳۶۵)

رجا کا مطلب یہ ہے کہ رحمت الٰہی کی امید رکھی جائے اور یہ امید بندے کے اندر ہر حال میں باقی رہنی چاہیے، چاہے وہ گناہ کی حالت میں ہو، یا نہ ہو اور کسی حالت میں مایوس نہ ہو، اگرچہ اس کا گناہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہو، لیکن گناہ کی طرف بڑھنے کی اس میں جرأت نہ ہو۔ اللہ کا ارشاد ہے:

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ أَسْرَفُوْا عَلٰى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا إِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴿۵۳﴾ (زمر)

ترجمہ: اے محبوب! آپ فرمادیں کہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے میرے بندو! اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ تمام گناہوں کی مغفرت فرمانے والا ہے، کیوں کہ حقیقت میں وہی بخشنے والا مہربان ہے۔

شیخ شہاب الدین سہروردی قدس اللہ سرہٗ خوف وامید کو لازم وملزوم بتاتے ہوئے یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ:

ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے آدمی کے پاس تشریف لائے جو حالت نزع میں تھا، آپ نے اس سے فرمایا:

تمہارا کیا حال ہے؟ اس نے کہا: میری حالت یہ ہے کہ اپنے گناہوں سے ڈرتا ہوں اور اللہ کی رحمت کا امیدوار بھی ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اس موقع پر دل میں امید و خوف کا اجتماع ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی امید بر لاتا ہے اور اسے خطروں سے محفوظ رکھتا ہے۔ (عوارف المعارف، باب:۵۹)

خوف ورجا کے معاملے میں اعتدال کا دامن کبھی ہاتھ سے چھوٹنے نہیں دینا چاہیے۔ نہ اتنا خوف ہو کہ مایوس ہو جائے اور نہ اتنی امید قائم کر لی جائے کہ گناہ پر جری ہو جائے۔

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اگر کوئی آسمان سے یہ اعلان کرے کہ اے لوگو! ایک شخص کے سوا تم سب کے سب جنت میں داخل ہو گے، تو مجھے یہ خوف ہے کہ وہ ایک شخص میں ہوں اور اگر کوئی یہ اعلان کرے کہ اے لوگو! ایک شخص کے سوا تم سب کے سب جہنم میں جاؤ گے تو مجھے یہ امید رہے گی کہ وہ ایک شخص میں ہی ہوں۔ (حلیۃ الاولیاء، باب: فی الزہد والورع)

فقر و زہد: اس کی دو حالت ہے: ایک انسان کے پاس سرے سے مال ہی نہ ہو اور وہ محتاج ہونے پر مجبور ہو تو یہ فقیر ہے اور دوسرا اس کے پاس مال تو ہو مگر وہ اپنے مال سے مکمل طور پر دست بردار ہو چکا ہو تو یہ زہد ہے۔ اس طرح کی زندگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پسند تھی، آپ فرماتے ہیں:

یا اللہ! مجھے حالت مسکینی میں زندہ رکھ، حالت مسکینی میں موت دے اور مسکینوں کی جماعت ہی میرا حشر فرما۔ ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

اگر تو اللہ رب العزت سے دوستی کرنا چاہتا ہے تو دنیا میں زہد اختیار کرو۔ (عوارف المعارف)

فقر و زہد کی صورتیں: یہ ہے کہ بندہ اپنی ضروریات کی تکمیل کے بعد اپنا آدھا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرے، یہ مالدار حضرات کا فقر ہے اور درمیانی لوگوں کا فقر یہ ہے کہ ڈھائی فیصد کے علاوہ بھی اپنے مال سے دس فیصد اللہ کی راہ میں خرچ کریں اور عام لوگوں کا فقر یہ ہے کہ ڈھائی فیصد کے ساتھ پانچ فیصد بڑھا کر اللہ کی راہ میں خرچ کریں اور خاص لوگوں میں علما کا فقر یہ ہے کہ اپنی علمی دیانت، وسعت اور حالات و معاملات کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے آپ کو خالص دین کے لیے وقف کر دیں، ہاں! اگر کوئی شخص اپنا پورا مال اللہ کی راہ میں خرچ کر دے، دوبارہ مال طلب نہ کرے اور نہ ہی مال قبول کرے تو یہ فقر کا اعلیٰ درجہ ہے یعنی زہد ہے اور یہ صرف بلند ہمت اور مطمئن قلب والوں کا حصہ ہے، یہ اس شخص کے لیے بہت نقصان دہ ہے جس کو اطمینان قلبی حاصل نہیں، کیوں کہ اس کے کفر میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس کی تائید حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث پاک سے ہوتی ہے کہ: كَادَ الْفَقْرُ أَنْ يَّكُوْنَ كُفْراً۔

(شعب الایمان، الحث علی ترک الغل والحسد)

ترجمہ: قریب ہے کہ فقر، کفر کا سبب بن جائے۔

صدق و اخلاص: صدق کا معنی ہے سچائی اور اخلاص کا مفہوم یہ ہے اللہ کے سوا کسی کی رضا مطلوب نہ ہو اور نہ ہی اس میں کسی کو شریک کرے، نیز کوئی شہرت یا سربراہی کی طلب بھی نہ ہو۔ چاہے اس کا تعلق دعوت و تبلیغ سے ہو، درس و تدریس سے، یا تقریر و تحریر سے، تو یہ صدق و اخلاص ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ۝۱۵ (حجرات)

ترجمہ: بے شک وہ مومن جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور اس کے بعد اُن کے ایمان میں کوئی شک وشبہ نہیں رہا اور انھوں نے اپنے مال اور جان کے ساتھ اللہ کی راہ میں کوشش کی، حقیقت میں یہی لوگ صادق ہیں۔

اخلاص کے تعلق سے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

أَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ۞ (زمر)

ترجمہ: جان لو! خالص دین، اللہ ہی کے لیے ہے۔

کیوں کہ عمل میں اخلاص اسی وقت پیدا ہوگا جس میں نفس کا کوئی دخل نہ ہو، بلکہ صرف اللہ کے لیے ہو۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اخلاص تو یہ ہے کہ تو کہے کہ میرے لیے اللہ ہی کافی ہے۔

محاسبہ ومراقبہ: اس کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنے ہر چھوٹے بڑے اعمال کا جائزہ لے اس کے بارے میں غور کرے کہ اس نے جو کچھ کیا، یا کر رہا ہے، اس سے وہ اپنی تخلیق کا مقصد حاصل کر پا رہا ہے، یا نہیں، اگر ہاں! تو ٹھیک ہے، ورنہ اللہ سے ڈرے، توبہ استغفار کرے، کیوں کہ اللہ نہ صرف اس کے ظاہر وباطن سے آگاہ ہے، بلکہ سخت گرفت بھی فرمانے والا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ۞ (انبیا)

ترجمہ: قیامت کے دن ہم میزان عدل قائم کریں گے، پس کسی پر ظلم نہ ہوگا اور اگر رائی برابر بھی عمل ہوگا تو ضرور اس کا بدلہ ملے گا اور ہم حساب لینے کے لیے کافی ہیں۔

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۞ (حشر)

ترجمہ: ہر جان غور کرے کہ اس نے کل کی کیا تیاری کی ہے۔ یعنی محاسبہ کرے کہ اس نے کتنا اچھا کیا اور کتنا برا۔

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

حَاسِبُوْا أَنْفُسَكُمْ قَبْلَ أَنْ تُحَاسَبُوْا۔ (سنن ترمذی، ۲۵)

لوگو! اپنے نفس کا محاسبہ کرو، اس سے پہلے کہ تمہارا محاسبہ ہو۔

غور وفکر: بندہ پہلے اپنی ذات میں غور وفکر کرے، تاکہ وہ اپنی بری صفتوں اور ناپسندیدہ اعمال کو جان سکے، پھر اللہ کی صفات اور اس کی عجیب وغریب مخلوقات کے بارے میں غور کرے، تاکہ اللہ کی کبریائی اور اس کی عظمت ظاہر ہو، خود اللہ قرآن کریم میں جگہ جگہ پر غور وفکر کرنے کی دعوت دے رہا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۞ (آل عمران)

بے شک آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش اور رات ودن کے اختلاف میں دانشوروں کے لیے نشانیاں ہیں۔

توحید وتوکل: توحید یہ ہے کہ اللہ کو ایک مانا جائے اور اس کی ذات وصفات، اسما وافعال میں کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ امام غزالی قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ توحید کے مختلف درجات اور اس کی کئی صورتیں ہیں، مثلاً:

۱۔ منافق کی توحید: یہ ہے کہ بندہ زبان سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہے اور دل میں ایسا عقیدہ نہ رکھے۔

۲۔ عوام کی توحید: یہ ہے کہ بندہ توحید کا اعتقاد تقلید کے طور پر رکھے۔

۳۔ متکلمین کی توحید: یہ ہے کہ بندہ دلائل کی روشنی میں توحید کو تسلیم کرے۔

۴۔عارفین کی توحید: یہ ہے کہ مشاہدے سے اس بات کو جانے کہ سب کاموں کا فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اس کے علاوہ کسی کی کوئی طاقت نہیں۔

۵۔فنافی التوحید: یہ ہے کہ ایک کے سوا کچھ دیکھائی نہ دے، یہاں تک کہ اپنی ذات بھی نہیں، بس حق ہی حق ہر طرف نظر آئے۔ (کیمیائے سعادت، اصل:۸)

توکل دل کی ایک کیفیت اور حالت کا نام ہے جو ایمان بالتوحید کے بعد حاصل ہوتا ہے۔اس کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ اسباب زندگی تو تلاش کرے لیکن بھروسہ صرف اللہ پر رکھے، یعنی ظاہری اسباب کے بگڑ جانے سے رنجیدہ نہ ہو، بلکہ اسی سے مطمئن رہے اور شک وشبہ میں بھی نہ پڑے، یہ خاص لوگوں کا توکل ہے اور عام لوگوں کا توکل یہ ہے کہ فرائض اور واجبات کے بعد ضرورت بھر رزق تلاش کریں اور اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ۝۱۲ (ابراہیم)

ترجمہ: متوکلین کو اللہ پر ہی بھروسہ رکھنا چاہیے۔

توکل کرنے والے اللہ کو محبوب ہیں، ارشاد باری ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ۝۱۵۹ (آل عمران)

ترجمہ: بے شک توکل کرنے والوں کو اللہ محبوب رکھتا ہے۔

محبت: یہ ایک کیفیت ہے، جس کو ظاہری نگاہوں سے دیکھا نہیں جا سکتا، البتہ مختلف علامتوں سے اس کیفیت کو پہچانا جا سکتا ہے، مثلا: محبوب کی اطاعت اور اس جیسی دوسری باتیں محبت کی علامت میں شامل ہیں۔اس لیے بندہ اپنے دل میں اللہ کی محبت اس قدر غالب رکھے کہ اسی کا ہو کر رہ جائے، اگر یہ ممکن نہ ہو تو اللہ کی محبت ہر چیز کی محبت پر غالب رکھے، کیوں کہ اللہ سے محبت رکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ۝۵۴ (مائدہ)

ترجمہ: اللہ ان سے محبت فرمانے والا ہے اور وہ اللہ سے محبت رکھنے والے ہیں۔

اور اللہ کی محبت کے ساتھ ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت بھی ضروری ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

جب تک بندے کے دل میں میری محبت تمام لوگوں کی محبت پر غالب نہیں ہوگی، اس وقت تک اس کا ایمان کامل نہیں ہوگا۔ (بخاری، باب حب الرسول من الایمان)

شوق: اس کا معنی یہ ہے کہ شوق کی کیفیت رکھنے والا اپنے معشوق کو تلاش کرے، تاکہ وہ آنکھوں کے سامنے آجائے، جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے کہ: نیک بندے میرے دیدار کے بہت شائق ہیں اور ان سے زیادہ ان کے دیدار کا مشتاق میں ہوں۔ (مسند الفردوس، ابودردا)

رضا: اس کا معنی یہ ہے کہ قضائے الٰہی پر راضی رہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: اللہ کی بارگاہ کا باب عظیم قضائے الٰہی پر راضی رہنا ہے۔ (حلیۃ الاولیاء، عبدالواحد)

موت اور اس کے بعد کا ذکر

یعنی بندہ ہمیشہ ہر حال میں موت کو کثرت سے یاد کرے اور ان مقامات پر جائے جن سے آخرت کی یاد آتی ہے، نیز حساب وکتاب، جنت ودوزخ اور سوالات منکرین کا ذکر کرے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

أَكْثِرُوْا ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ۔ (سنن ترمذی، ذکر الموت)

لذتوں کو توڑنے والی (موت) کا ذکر کثرت سے کرو۔

٭٭٭

امان اللہ محمدی

قرآن کریم کے پانچ حقوق

موجودہ دور میں انسان جن مشکل معاشی، تہذیبی، معاشرتی اور روحانی مسائل کا شکار ہے، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے اور دن بہ دن ان میں اضافہ ہی ہوتا جارہا ہے، جس کا بنیادی سبب ہم سب کا قرآنی تعلیمات سے دور ہونا ہے۔ اس وقت ہمارے معاشرے میں جتنی فکری اور نظریاتی الجھنیں جنم لے رہی ہیں؛ وہ بھی اسی وجہ سے ہے کہ ہم مسلم ہونے کے باوجود قرآن کریم سے رہنمائی نہیں حاصل کرتے۔ اگر واقعی امت مسلمہ غالب وسربلند قوم کی حیثیت سے دنیا میں اپنی عظمت کا پرچم لہرانا چاہتی ہے تو اسے قرآن کریم کی طرف رجوع کرنا ہی پڑے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝۱۳۹ (آل عمران)

ترجمہ تم ہی غالب آؤ گے اگر تم کامل ایمان رکھتے ہو۔

رجوع الی القرآن کے درج ذیل پانچ اصول ہیں:

۱۔ایمان بالقرآن

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ۝۱۳۶ (نسا)

ترجمہ: اے مومنو! ایمان لاؤ اللہ پر، اس کے رسول پر، قرآن کریم پر جو اللہ کے رسول پر نازل ہوا اور آسمانی صحیفے پر جو اس سے پہلے نازل ہوا۔

اس آیت کریمہ میں مومنوں کو ایمان لانے کا حکم دیا جارہا ہے جو اِس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ہمارا ایمان ابھی تک مضبوط نہیں ہوا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں یقین کی وہ دولت نہیں ملی ہے جو ایک مومن کی شان ہوا کرتی ہے ہم مومن ہو کر بھی مومن نہیں، کیونکہ ہم مومن ہو کر بھی مومن والا عمل نہیں کرتے، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کرتے رہتے ہیں تو ہم جیسے مومن کو مومن کیسے کہا جائے۔ ایمان کا تقاضہ ہی یہ ہے کہ اپنے آپ کو عمل سے آراستہ کیا جائے۔

۲۔تلاوت قرآن

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أَكْثِرُوْا تِلَاوَةَ الْقُرْآنِ قَبْلَ أَنْ يُّرْفَعَ۔

(سنن دارمی، ج:۴،ص:۲۱۵)

ترجمہ: اس سے پہلے کہ قرآن اٹھالیا جائے کثرت سے قرآن مجید کی تلاوت کرو۔

تلاوت قرآن کی پابندی بے حد ضروری ہے، آج مسلم معاشرے سے تلاوت قرآن کا ذوق ختم ہوتا جارہا ہے جب کہ پہلے نماز فجر کے بعد گھر گھر سے تلاوت قرآن کی آوازیں آیا کرتی تھیں۔لیکن قرآن شریف سے مقصود اصلی فقط یہ نہیں کہ اَلْحَمْدُ سے شروع کرے اور وَالنَّاسِ تک قرآن کی قرأت کرتا چلا جائے، بلکہ اس پر عمل کرنا بھی ضروری ہے، کیوں کہ پڑھنا

یادرکھنے کے لیے ہے اور یادرکھنا عمل کرنے کے لیے ہے۔ جو لوگ قرآن کریم تلاوت کرتے ہیں اور عمل نہیں کرتے اُن کی مثال ایسی ہے جیسے کسی غلام کے پاس اس کے مالک کا خط آئے اور اس میں اس غلام کی نسبت احکام لکھے ہوں تو وہ غلام احترام کے ساتھ بیٹھے اور اس خط کو خوش آوازی سے پڑھے، اس کے حروف بھی خوب درست ادا کرے اور جو احکام اس خط میں لکھے ہوں اُن پر عمل نہ کرے تو بلاشبہ وہ غلام سزا کا مستحق ہے۔

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم جتنا بھی قرآن مجید کی تلاوت کریں، سمجھ کر کریں اور اس پر عمل کریں، ورنہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سخت پکڑ ہوگی، جہاں کوئی بچانے والا بھی نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ ۔﴿۱۲﴾ (بروج)

ترجمہ: بے شک تیرے رب کی پکڑ بہت سخت ہے۔

۳۔ تدبر قرآن

غور وفکر کے ساتھ اور سمجھ کر قرآن کی تلاوت مسنون ہے، کیونکہ یہی سب سے بڑا مقصود اور سب سے اہم مطلوب ہے، اسی سے انشراح صدر حاصل ہوتا ہے اور تاریک دل روشن ہوتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ ﴿۲۹﴾ (ص)

ترجمہ: ہم نے تمہاری جانب ایک بابرکت کتاب اتاری تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں تدبر کریں۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ﴿۸۲﴾ (نسا)

ترجمہ: کیا وہ قرآن میں تدبر (غور وفکر) نہیں کرتے۔

تدبر کی صفت یہ ہے کہ تلاوت کرنے والا جو لفظ ادا کررہا ہے اس کے معنی کے اندر غور کرنے میں اپنے دل کو لگائے؛ تاکہ وہ ہر ایک کے معنی سے آشنا ہو، اوامر ونواہی میں تأمل کرے اور تدبر و تأمل کی قبولیت کا عقیدہ رکھے، پھر اگر ماضی میں اس قرآن کے تعلق سے کوتاہی اور بے توجہی ہوئی ہو تو بارگاہ الٰہی میں قبول عذر کی درخواست پیش کرے اور اس کوتاہی کی معافی کا طلب گار ہو۔

جب آیت رحمت سے گزرے تو خوش ہو اور رحمت طلب کرے، آیت عذاب سے گزرے تو خوف الٰہی سے سہم جائے اور اللہ کی پناہ طلب کرے۔ آیت تنزیہہ سے گزرے تو اللہ تعالیٰ کی پاکی وعظمت کا اظہار کرے اور آیت دعا سے گزرے تو گڑگڑا کر اپنی حاجت طلب کرے۔

۴۔ عمل بالقرآن

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ﴿۷﴾ (حشر)

ترجمہ: رسول تمھیں جو کچھ عطا کریں اسے قبول کرلو اور جس چیز سے بھی وہ تمھیں روک دیں اس سے باز آجاؤ۔

اس آیت میں اوامر ونواہی کی تصریح ہے۔ ''امر'' وہ ہے جس کا ہر حال میں کرنا لازمی اور ضروری ہے، جیسے فرائض اور واجبات اور ''نہی'' وہ ہے جس کا نہ کرنا لازم وضروری ہے، جیسے حرام اور مکروہ تحریمی، یعنی انسان قرآنی تعلیمات واحکام پر عمل کرے۔

۵۔تبلیغ قرآن

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ (مائدہ)

ترجمہ: اے رسول! وہ ساری باتیں پہنچا دیجیے جو آپ پر آپ کے رب کی جانب سے نازل کی گئی۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو احکام خداوندی کو لوگوں تک پہنچانے کا حکم دے رہا ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اب جب کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان حیات ظاہری کے ساتھ موجود نہیں ہیں تو اس کام کو ہر وہ شخص انجام دے جس کے پاس دین کی ایک ہی بات کیوں نہ ہو، چنانچہ وہ اسے دوسروں تک پہنچائے اور قرآنی تعلیمات کو عام کرنے میں اپنی تمام تر صلاحیت صرف کر دے، اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

ان پانچوں تقاضوں کو دل و دماغ میں اتار کر قرآن سے اکتساب فیض کیا جائے تو یقیناً قرآن کریم ہمیں زندگی کے تمام شعبوں میں ایک مستقل رہنما اصول فراہم کرے گا، بشرطیکہ غور وفکر کرنے والا شخص عشق مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماحول کا پروردہ ہو۔

اگر قرآن کریم میں غور کرنے والے کے دل میں بدعقیدگی، تکبر، خواہش نفس، محبت دنیا ہو، یا وہ کسی گناہ پر مصر ہو، یا اس کا ایمان تحقیقی اور یقینی نہ ہو، یا تصدیق قلبی میں ضعف ہو، یا بے علم مفسر کے قول پر اعتماد کرتا ہو، یا اپنی عقل وخرد کو مرجع بناتا ہو تو وہ نہ تو وحی کے معنی کو سمجھ سکتا ہے اور نہ اس کے اسرار اس کے قلب و ذہن میں سما سکتے ہیں، بلکہ الٹا یہ ساری باتیں اس کی راہ میں حجاب اور رکاوٹ بن جائیں گی۔

اللہ تعالیٰ غور وفکر کے ساتھ قرآن کریم تلاوت کرنے کی توفیق بخشے۔ (آمین)

●●●

''شاہ صفی اکیڈمی'' الہ آباد کی فخریہ پیش کش

● علامہ قطب الدین دمشقی قدس اللہ سرہٗ کی مشہور متن تصوف

الرسالۃ المکیۃ

ترجمہ اور تحقیق وتخریج کے ساتھ جلد منظر عام پر

شاہ صفی اکیڈمی الہ آباد کی دوفخریہ پیش کش

● علامہ قطب الدین دمشقی قدس اللہ سرہٗ کی مشہور متن تصوف

الرسالۃ المکیۃ

ترجمہ اور تحقیق وتخریج کے ساتھ جلد منظر عام پر

● حضرت مخدوم شیخ سعد خیرآبادی قدس اللہ سرہٗ (۹۲۲ھ) کے قلم سے

اس متن تصوف کی عالمانہ وعارفانہ شرح

مجمع السلوک

جو شریعت وطریقت کا انسائیکلو پیڈیا اور سالکین وطالبین

کے لیے دستورالعمل ہے۔

حضرت مولانا ضیاء الرحمن علیمی صاحب نے اس کا سلیس اور بامحاورہ ترجمہ مکمل کرلیا ہے

جو اَب نظر ثانی کے مرحلے میں ہے۔

تحقیق وتخریج کے ساتھ بہت جلد اشاعت پذیر ہو رہی ہے۔ (ان شاء اللہ)

بیعتِ یزید سے لے کر امام حسین کی شہادت تک

یزید کی بیعت سے لے کر امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت تک جتنے بھی واقعات ملتے ہیں ان میں زیادہ تر موضوع اور من گڑھت ہیں، جن کے سبب یہ فرق کرنا بڑا مشکل ہو جاتا ہے کہ کون سی روایت درست ہے اور کون سی روایت درست نہیں۔ واقعات کربلا کے حوالے سے ''مقتل حسین''، پہلی تالیف مانی جاتی ہے جس کے مصنف کا نام ابومخنف لوط بن یحییٰ ہے۔ عام طور پر کربلا کے حالات اسی کتاب سے لیے گئے ہیں اور طبری نے بھی اسی سے استفادہ کیا ہے، جب کہ یہ کتاب بھی موضوع روایات اور گڑھے گئے واقعات کا مجموعہ ہے۔
اس کے برخلاف علامہ ابن حجر عسقلانی نے ''الاصابہ فی تمیز الصحابہ'' کے جس باب میں امام حسین کی شہادت کا ذکر کیا ہے وہ کافی حد تک اعتماد کے قابل اور صداقت پر مبنی ہے۔ علامہ ابن حجر خود لکھتے ہیں: وقد صنّف جماعة من القدماء فی مقتل الحسين تصانيف فيها الغثّ والسّمين، والصّحيح والسّقيم، وفی هذه القصّة التی سقتها غنی.
یعنی قدما کی جماعت نے شہادت حسین کے بارے میں جو بھی تصانیف کی ہیں، ان سب کتابوں میں جھوٹی، خیالی، صحیح و غیر صحیح تمام روایتوں کو جمع کر دیا گیا ہے لیکن ہم نے اِس بیان میں کمزور باتوں سے بے نیازی برتی ہے۔
اس کی وجہ یہ ہے کہ ابن حجر نے اسی روایت کو بیان کیا ہے جو حضرت ابوجعفر محمد باقر سے مروی ہے، آپ علی زین العابدین بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے صاحبزادے ہیں اور حضرت زین العابدین ہی مردوں میں واقعۂ کربلا کے واحد چشم دید گواہ ہیں (ادارہ)

یزید کی بیعت

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے وقت ولید بن عتبہ بن ابی سفیان (امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا بھتیجا اور یزید کا چچازاد بھائی) مدینہ منورہ کا گورنر تھا۔ رات میں اس کو یزید نے حضرت حسین بن علی کے پاس بھیجا، تا کہ وہ اُن سے یزید کے لیے بیعت لے۔

جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو بیعت کی خبر ملی تو آپ نے کہا: مجھے سوچنے کے لیے کچھ مہلت دی جائے اور نرمی اختیار کی جائے۔ چنانچہ مدینے کا گورنر ولید بن عتبہ نے آپ کو مہلت دے دی، اس کے بعد امام حسین رضی اللہ عنہ مکہ معظّمہ تشریف لے گئے۔

کوفیوں کا خط

وہاں کوفیوں نے امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس اپنے قاصد و پیغامات بھیجے اور عرض کی کہ:

ہم آپ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں، ہم نے کوفہ کے گورنر کے پیچھے جمعہ ادا کرنا بھی ترک کر دیا ہے، اس لیے آپ کوفہ تشریف لے آئیں، اس وقت کوفہ کے گورنر نعمان بن بشیر تھے۔

جب کوفیوں کی طرف سے اس قسم کے پیغامات آئے تو امام حسین رضی اللہ عنہ نے تحقیق کے لیے اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو یہ کہہ کر کوفہ بھیجا کہ وہاں کی صحیح صورت حال کا اندازہ کرو اور اگر کوفی سچے ہیں تو آگاہ کرو، تا کہ میں کوفہ آؤں۔

مسلم بن عقیل کوفہ میں

حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ پہلے مدینہ منورہ گئے، وہاں سے راستے کی رہنمائی کے لیے دو آدمی ساتھ لیے اور کوفہ روانہ ہوئے۔ جس صحرائی اور ریگستانی راستے سے گئے وہ انتہائی خطرناک علاقہ تھا، چنانچہ راستے ہی میں پیاس کی وجہ

سے ایک ان میں سے ایک کا انتقال بھی ہو گیا۔

حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کوفہ پہنچے اور وہاں عوسجہ کوفی کے گھر قیام فرمایا۔

کوفیوں کی بیعت

کوفیوں کو جب مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ خفیہ طور پر اُن کے پاس پہنچے اور بارہ ہزار کوفیوں نے ان سے بیعت کی۔

گورنر کوفہ کی معزولی

حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر جب بارہ ہزار کوفیوں نے بیعت کر لی، تو یزید کے ایک خیر خواہ نے گورنر کوفہ نعمان بن بشیر سے کہا:

یا تو آپ واقعتاً کمزور ہیں یا کوفہ والے آپ کو کمزور سمجھتے ہیں۔ دیکھتے نہیں کہ شہر کی صورت حال کس قدر خراب ہے؟

نعمان بن بشیر نے جواب دیا:

میری ایسی کمزوری جو اطاعت الٰہی میں ہو، اس طاقت اور ہمت سے بہتر ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے لیے ہو اور جس کام پر اللہ تعالیٰ نے پردہ ڈال رکھا ہے، میں اس کو کیوں ظاہر کروں!

اس شخص نے یہ ساری باتیں لکھ کر یزید کے پاس بھیج دی۔ یزید نے اپنے آزاد کردہ غلام سرحون کو بلایا اور اس سے مشورہ کیا، اس نے کہا:

عبیداللہ بن زیاد کو وہاں کا گورنر مقرر کر دو، کیوں کہ کوفہ کے لیے وہی مناسب ہے۔ حالانکہ صورت حال یہ تھی کہ ان دنوں یزید، ابن زیاد سے سخت ناراض تھا اور اس کو بصرہ کی گورنری سے معزول بھی کرنا چاہتا تھا، مگر سرحون کا مشورہ قبول کرتے ہوئے یزید نے نعمان بن بشیر کو معزول کر دیا اور اس کی جگہ کوفہ کا گورنر ابن زیاد کو بنا دیا اور یہ حکم دے کر وہاں بھیجا کہ: کوفہ پہنچ کر مسلم بن عقیل کو تلاش کرو اور اگر وہ مل جائے تو اُسے قتل کر دو۔

ابن زیاد کی بحیثیت گورنر کوفہ آمد

چنانچہ ابن زیاد بصرہ کے چند ساتھیوں کو ساتھ لیا اور اس حال میں کوفہ میں داخل ہوا کہ اس نے اپنا چہرہ چھپا رکھا تھا۔ وہ جس مجلس سے گزرتا، سلام کرتا، جواب میں اہل مجلس کہتے:

عليك السلام يا ابن رسول الله!

یعنی اے ابن رسول اللہ! آپ پر بھی سلام ہو۔

کیوں کہ اہل کوفہ یہ سمجھ رہے تھے کہ آنے والے امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما ہیں۔

مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کی تلاش

عبیداللہ بن زیاد نے گورنر ہاؤس پہنچ کر اپنے غلام کو تین ہزار درہم دے کر کہا:

جاؤ، اس شخص کا پتہ لگاؤ جو کوفہ والوں سے بیعت لیتا ہے۔ لیکن ہاں! جب اس کے پاس پہنچو تو خود کو حمص کا باشندہ ظاہر کرو، پھر اس کی خدمت میں مال پیش کرو اور اس سے کہو کہ میں آپ سے بیعت حاصل کرنے آیا ہوں۔

آخر کار وہ غلام اپنے مکر و حیلے سے اس شخص تک پہنچ گیا جو بیعت کا اہتمام کرتا تھا، اس نے اپنے بارے میں بتایا تو وہ شخص بولا: مجھے خوشی ہے کہ اللہ نے تجھے ہدایت دی۔

لیکن افسوس کہ ابھی تک ہمارا کام پختہ نہیں ہو سکا ہے۔

پھر اس غلام کو مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا۔

غلام نے بیعت حاصل کی اور تحفے میں مال بھی پیش کیا۔

لیکن وہاں سے چھوٹتے ہی وہ غلام سیدھا ابن زیاد کے پاس آیا اور اُسے ساری باتیں بتا دیں۔ اِدھر حضرت مسلم، کوفہ

میں عبید اللہ بن زیاد کی آمد کی خبر سن کر، عوسجہ کا گھر چھوڑ دیا اور ہانی بن عروہ کے گھر منتقل ہو گئے۔

ہانی بن عروہ کی گرفتاری

جب عبید اللہ بن زیاد کو پتہ چل گیا کہ مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ ہانی بن عروہ کے گھر ہے، تو اس نے اہل کوفہ سے کہا:

کیا بات ہے کہ: ہانی مجھ سے ملنے نہیں آئے؟

چنانچہ محمد بن اشعث چند ساتھیوں کے ساتھ ہانی بن عروہ کے گھر گئے، ہانی اس وقت اپنے گھر کے دروازے پر کھڑے تھے۔ محمد بن اشعث اور اس کے ساتھیوں نے کہا:

گورنر نے آپ کو یاد کیا ہے، اس لیے آپ کو گورنر کے پاس جانا چاہیے۔

چنانچہ اُن کے کہنے پر ہانی، ابن زیاد کے پاس گئے۔

جب ہانی گورنر ہاؤس پہنچے تو اتفاق سے اس وقت قاضی شریح بھی وہاں موجود تھے۔ جب ہانی کو عبید اللہ نے دیکھا تو بولا: یہ بوجھل قدموں کے ساتھ تمہارے پاس آیا ہے اور جب ہانی بن عروہ نے سلام کیا تو عبید اللہ بن زیاد نے ان سے پوچھا:

اے ہانی! مسلم بن عقیل (رضی اللہ عنہ) کہاں ہے؟

ہانی بن عروہ نے جواب دیا: مجھے علم نہیں ہے۔

اسی وقت ابن زیاد نے اس غلام کو سامنے کر دیا جس نے مسلم بن عقیل کو تین ہزار درہم بطور نذر پیش کیا تھا۔

لہٰذا ہانی بن عروہ اپنے آپ کو پھنستے دیکھ کر کہا:

اے امیر، واللہ! میں نے ان کو اپنے گھر نہیں بلایا، بلکہ وہ خود بخود میرے گھر آئے ہیں۔

عبید اللہ بن زیاد نے کہا: اس کو حاضر کرو۔

یہ سن کر ہانی بن عروہ پس و پیش میں پڑ گئے، جس پر ابن زیاد نے ہانی کو بڑے زور سے ڈنڈا مارا، اور گورنر ہاؤس کے ایک حصے میں ان کو قید بھی کر دیا۔

اس واقعے کی اطلاع جیسے ہی ہانی بن عروہ کے قبیلے کو ملی، سب گورنر ہاؤس کے پاس جمع ہو گئے۔ یہ دیکھ کر ابن زیاد نے قاضی شریح کو یہ کہنے اور سمجھانے کے لیے بھیجا کہ اس نے ہانی کو قید نہیں کیا ہے، بلکہ صرف مسلم بن عقیل کے بارے میں پوچھ تاچھ کرنے کے لیے روکا ہے، اس لیے گھبرانے کی بات نہیں۔

جب یہ خبر کوفہ والوں کو ملی تو وہ لوگ واپس لوٹ گئے۔

مسلم بن عقیل کا لوگوں کے سامنے آنا

اِدھر مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو جب اس بات کا علم ہوا، تو انھوں نے عام منادی کرادی جسے سن کر چالیس ہزار اہل کوفہ جمع ہو گئے، جنھیں ساتھ لے کر مسلم بن عقیل نکلے اور گورنر ہاؤس کے پاس مظاہرہ کرنے لگے۔

عبید اللہ بن زیاد کو اس کی اطلاع ہوئی تو اُس نے کوفہ کے تمام سرداروں کو بلایا اور انھیں اپنے اپنے قبیلے کو سمجھانے کی تاکید کی۔ چنانچہ سرداروں کے سمجھانے سے اہل کوفہ آہستہ آہستہ کھسکنے لگے، یہاں تک کہ شام ہوتے ہوتے بہت ہی کم لوگ باقی رہ گئے۔ پھر جب رات آئی اور اندھیرا پھیلنے لگا تو باقی لوگ بھی چلے گئے۔

کوفیوں کی غداری اور مسلم بن عقیل کی شہادت

حضرت مسلم بن عقیل نے جب دیکھا کہ وہ تنہا رہ گئے تو انھیں کچھ تردد ہوا، پس وہ ایک خاتون کے مکان پر پہنچے اور پانی مانگا، اس خاتون نے پانی لا کر دیا۔ لیکن آپ وہیں کھڑے رہے۔ یہ دیکھ کر خاتون نے کہا:

اے اللہ کے بندے! تمہارا یہاں ٹھہرنا مشکوک ہے، چلے جاؤ۔ آپ نے کہا:

میں مسلم بن عقیل ہوں، تم مجھے پناہ دوگی؟

خاتون نے کہا: ہاں! آجایئے، تو آپ اندر چلے گئے۔

اس خاتون کا لڑکا محمد بن اشعث کا غلام تھا جس نے جا کر محمد بن اشعث کو خبر دے دی۔ خبر ملتے ہی اس نے فوراً اس مکان کی گھیرابندی کرا دی جس میں مسلم بن عقیل رکے ہوئے تھے۔ یہ دیکھ کر مسلم بن عقیل اپنی حفاظت کی غرض سے تلوار سونت کر باہر آئے، لیکن محمد بن اشعث نے ان کی حفاظت کا یقین دلایا اور انھیں گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس گورنر ہاؤس لے گیا، جہاں چھت پر لے جا کر مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ دونوں کو شہید کر دیا گیا۔

امام حسین رضی اللہ عنہ کی کوفہ روانگی

اِدھر مسلم بن عقیل کا پیغام امام حسین رضی اللہ عنہ کو مل چکا تھا کہ بارہ ہزار کوفیوں نے بیعت کر لی ہے، اس لیے آپ جلد کوفہ پہنچ جائیں۔ چنانچہ امام حسین رضی اللہ عنہ مکہ سے کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ لیکن آپ ابھی قادسیہ سے تین میل کے فاصلے پر تھے کہ حر بن یزید تمیمی اور امام حسین رضی اللہ عنہ کی آپس میں ملاقات ہوگئی، انھوں نے کہا: آپ لوٹ جائیں، کیوں کہ کوفہ والوں سے کسی خیر کی امید نہیں ہے۔ پھر حر نے کوفیوں کی بے وفائی اور مسلم بن عقیل کی شہادت کی خبر دی۔

یہ سارا واقعہ سن کر امام حسین رضی اللہ عنہ نے واپسی کا ارادہ کر لیا، لیکن مسلم بن عقیل کے بھائیوں نے کہا:

واللہ! ہم ضرور بدلہ لیں گے، یا شہید ہو جائیں گے۔

چنانچہ امام حسین آگے روانہ ہو گئے۔

امام حسین رضی اللہ عنہ کی کربلا آمد

جس وقت امام حسین کربلا آئے اس وقت آپ کے ساتھ پینتالیس سوار اور سو (100) کے قریب پیدل تھے۔

اِدھر عبیداللہ بن زیاد نے عمرو بن سعد کی امارت میں ایک فوج پوری تیاری کے ساتھ امام حسین کے مقابلے میں روانہ کیا جو کربلا پہنچ کر خیمہ زن ہو گئی۔

صلح کی پیش کش

اور جب امام حسین اور عمرو بن سعد کی میٹنگ ہوئی تو آپ نے یہ کہہ کر قتل وقتال ٹالنے اور صلح کی کوشش کی کہ:

۱۔ مجھے کسی اسلامی سرحد پر جانے دو۔

۲۔ مجھے براہ راست یزید سے ملنے کا موقع دو۔

۳۔ مجھے مدینہ لوٹ جانے دو۔

عمرو بن سعد نے تجویز قبول کر کے ابن زیاد کے پاس بھیج دی، لیکن اس نے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ:

مجھے حسین کی بیعت کے سوا کچھ قبول نہیں۔

عمرو بن سعد نے یہ بات امام حسین رضی اللہ عنہ تک پہنچا دی، آپ نے فرمایا: ایسا نہیں ہو سکتا، یہ ناممکن ہے۔

امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت

پھر کیا تھا، قتال شروع ہو گیا اور امام حسین کے اصحاب، جن میں سترہ جوان اہل بیت سے بھی تھے شہید کر دیے گئے۔

اخیر میں امام حسین رضی اللہ عنہ کو بھی شہید کر دیا گیا اور آپ کے سر اقدس کو عبیداللہ بن زیاد کے پاس لایا گیا، جس نے امام حسین کے سر اقدس اور اہل بیت کے باقی بچے افراد کو یزید کے پاس بھیج دیا۔ ان ہی میں بیمار حضرت علی زین العابدین بن حسین تھے اور ان کی پھوپھی زینب بھی تھیں۔

جب یہ لوگ یزید کے پاس آئے تو اس نے انھیں اپنے اہل وعیال کے ساتھ رکھا، پھر یزید نے ان سب کو مدینہ منورہ بھیج دیا۔ (الاصابہ فی تمیز الصحابہ، جلد:۲، ص:۱۷)

ضیاءالرحمن علیمی

کیا یزید جنتی ہے؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّ لَہُمْ عَذَابًا مُّہِیْنًا﴿۵۷﴾(احزاب)

ترجمہ: یقیناً جو لوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچاتے ہیں، ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ کی لعنت ہے اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے ذلت بھرا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف دینے والے اللہ تعالیٰ کی لعنت کے مستحق ہیں۔ اس طرح کی آیات کریمہ کی بنا پر علمائے اہل سنت کی ایک بڑی جماعت اس طرف گئی ہے کہ نام لے کر یزید پر لعنت بھیجنا جائز ہے، ان میں امام احمد بن حنبل، علامہ ابن جوزی حنبلی اور علامہ حلبی جیسے علما شامل ہیں۔ جس شخص کے بارے میں اکابر علما کی ایک بڑی جماعت مستحقِ لعنت ہونے کی قائل ہو اور جس کے فاسق و فاجر ہونے پر امت کا اتفاق ہو، ایسے شخص کے بارے میں ایک گروہ جو یہ کہتا ہے کہ یزید حدیث رسول کے مطابق جنتی ہے۔ اس نے اپنے اس موقف پر سب سے مضبوط دلیل کے طور پر جس حدیث رسول کو پیش کیا ہے، وہ یہ ہے:

عَنْ أُمِّ حَرَامٍ أَنَّهَا سَمِعَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: أَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ أُمَّتِي يَغْزُونَ الْبَحْرَ قَدْ أَوْجَبُوا، قَالَتْ أُمُّ حَرَامٍ، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَنَا فِيهِمْ؟ قَالَ: أَنْتِ فِيهِمْ، ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ أُمَّتِي يَغْزُونَ مَدِينَةَ قَيْصَرَ مَغْفُورٌ لَهُمْ، فَقُلْتُ: أَنَا فِيهِمْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: لَا۔ (بخاری، کتاب الجہاد والسیر)

ترجمہ: حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کا پہلا لشکر جو سمندری راستے سے جہاد کرے گا اس نے جنت کو واجب کر لیا، حضرت ام حرام نے کہا: یارسول اللہ! کیا میں بھی ان میں ہوں گی؟ فرمایا: تم ان میں سے ہوگی، حضرت ام حرام کہتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: میری امت کا پہلا لشکر جو مدینہ قیصر کے جہاد پر جائے گا وہ بخشا جائے گا، میں نے پوچھا: یارسول اللہ! کیا میں ان میں ہوں گی؟ فرمایا: نہیں۔

اس حدیث کے دو جز ہیں:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا پہلا لشکر جو سمندری راستے سے جہاد کرے گا وہ جنتی ہے اور اسی لشکر میں شمولیت کی بشارت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام حرام کو دی تھی۔

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا پہلا لشکر جو شہر قیصر کے جہاد پر جائے گا وہ مغفور ہے۔

ہماری گفتگو کا تعلق حدیث کے اسی دوسرے حصے سے ہے۔

سند حدیث پر بحث

علما نے اس حدیث کی سند اور اس کے متن دونوں پر بحث کیا ہے۔ اس حدیث کی سند یہ ہے: حدثنا اسحق بن یزید الدمشقی ثنا یحیٰ بن حمزة ثنی ثور بن یزید عن خالد بن معدان۔

ترجمہ: ہم سے حدیث بیان کیا اسحق بن یزید دمشقی نے، ہم سے حدیث بیان کیا حمزہ نے، مجھ سے حدیث بیان کیا ثور بن یزید وہ روایت کرتے ہیں خالد بن معدان سے۔

اس حدیث کی سند پر سب سے پہلا اعتراض یہ ہے کہ اس کے تمام راوی حمص اور دمشق کے ہیں اور اس علاقے میں ایسے لوگ تھے جو خاندان بنوامیہ کے چاہنے والے اور حضرت علی کے مخالف تھے۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس حدیث کے بعض راوی قدری یعنی تقدیر کے منکر اور بعض راوی ناصبی یعنی اہل بیت اطہار سے بغض وعداوت رکھنے والے تھے اور حدیث کے صحیح ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ اس کی روایت کرنے والا بدعقیدہ اور بدعتی نہ ہو اور جب اس کے راویوں میں بعض لوگ بدعقیدہ اور بدعتی ہیں، تو اصول درایت کے مطابق یہ حدیث صحیح نہیں ہوگی۔

اس حدیث کی سند میں یحیٰ بن حمزہ واقد دمشقی ہے۔ اس کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

ابن معین نے کہا کہ یہ شخص قدری ہے، آجری کہتے ہیں کہ میں نے ابوداؤد سے پوچھا: یہ قدری ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں! (تہذیب التہذیب، ج:۱۱، ص:۲۰۰، مطبوعہ دائرۃ المعارف)

اس حدیث کا تیسرا راوی ثور بن یزید کلوعی حمصی ہے، یہ ناصبی اور قدری دونوں ہے، اس کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے نقل کیا ہے کہ یہ منکر تقدیر ہے، اس کا دادا جنگ صفین میں حضرت معاویہ کی طرف سے لڑتا ہوا مارا گیا۔ ثور کا حال یہ تھا کہ وہ جب بھی حضرت علی کا ذکر کرتا تو کہتا میں اس شخص کو پسند نہیں کرتا جس نے میرے دادا کو قتل کیا تھا۔

عثمان دارمی کہتے ہیں کہ میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جس کو اس کے قدری ہونے میں شبہہ ہو۔ ابومسہر وغیرہ نے کہا کہ امام اوزاعی اس کی مذمت کرتے تھے۔ امام احمد نے کہا کہ ثور بن یزید تقدیر کا منکر ہے، آجری کہتے ہیں کہ امام ابوداؤد نے کہا یہ قدری ہے، اس کو حمص سے نکال دیا گیا تھا۔

(تہذیب التہذیب، ج:۲، ص:۳۳-۳۵)

حافظ عبدالرحمٰن بن ابی حاتم رازی لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن احمد حنبل نے کہا کہ میرے والد تو ثور بن یزید کو قدری کہا کرتے تھے۔ (کتاب الجرح والتعدیل، ج:۴، ص:۴۶۹ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

امام ذہبی لکھتے ہیں: امام احمد بن حنبل نے کہا کہ ثور بن یزید قدری ہے اور اس کو حمص سے نکال دیا گیا تھا، عبداللہ بن سالم کہتے ہیں کہ حمص والوں نے ثور کو حمص سے نکال دیا تھا اور اس کے گھر میں آگ لگا دی تھی کیوں کہ یہ مسئلہ تقدیر میں بحث کرتا تھا۔ (میزان الاعتدال، ج:۱، ص:۱۰۱، مطبع محمدی، لکھنو)

اس گفتگو سے معلوم ہو گیا کہ اس حدیث کی سند میں

بعض راوی قدری اور ناصبی ہونے کی وجہ سے بدعقیدہ اور بدعتی ہیں، لہٰذا اس حدیث سے ایسے شخص کے مغفور ہونے پر دلیل لانا جس کے فسق پر اتفاق اور جس کے کفر کی ایک جماعت قائل ہو، یہ درست نہیں ہے۔

متن حدیث پر بحث

اگر یہ مان لیا جائے کہ چونکہ مذکورہ حدیث صحیح بخاری میں ہے اس لیے صحیح ہی ہوگی، پھر بھی اس سے یزید کے لیے کوئی بشارت ثابت نہیں ہوتی کیوں کہ بشارت کا تعلق پہلے لشکر سے ہے اور قسطنطنیہ پر حملہ کرنے والے پہلے لشکر میں یزید نہیں تھا۔ کیوں کہ اس حدیث کے متن میں مدینۂ قیصر (شہر قیصر) کا لفظ آیا ہے۔ شارحین حدیث کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس میں شہر قیصر سے مراد قسطنطنیہ (Constantinpole) اور شہر قسطنطنیہ پر متعدد حملے ہوئے ہیں اور یہ تمام حملے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں ہوئے، ان متعدد حملوں میں سے ایک حملے میں یزید بھی موجود تھا اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا انتقال اسی جنگ میں ہوا جس میں یزید شریک تھا۔ یزید قسطنطنیہ کی کس جنگ میں شریک تھا اس کے بارے میں مندرجہ ذیل اقوال ہیں:

سنہ ۴۹، ۵۰، ۵۲، ۵۵، ہجری۔

(الکامل فی التاریخ، ج:۳، ص:۱۳۱، البدایۃ والنہایۃ، ج:۸، ص:۳۲، عینی شرح بخاری، ج:۱۴، ص:۱۹۸، اصابہ، ج:۱، ص:۴۰۵)

اس سے معلوم ہوا کہ یزید نے قسطنطنیہ کی جس جنگ میں شرکت کی ہے وہ سنہ ۴۹ سے سنہ ۵۵ ہجری تک کے کسی سال میں ہوئی۔ اب اگر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات معلوم کر لی جائے تو بات اور واضح ہو سکتی ہے۔ چنانچہ آپ کی تاریخ وفات کے سلسلے میں بھی درج ذیل اقوال ہیں: سنہ ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۵ ہجری۔

(البدایۃ والنہایۃ، ج:۸، ص:۴۲، ۵۹۔ اصابہ، ج:۱، ص:۴۰۵)

اب حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی وفات اور یزید کی وہ جنگ قسطنطنیہ جس میں اس کی شرکت کا ذکر ملتا ہے، ان دونوں کی تاریخ کو سامنے رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات تاریخی اعتبار سے درست ہو سکتی ہے کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی وفات اسی جنگ کے زمانے میں ہوئی جس میں یزید نے شرکت کی تھی۔ لیکن امام بخاری سے مروی حدیث میں دی گئی بشارت یزید پر اس لیے صادق نہیں آتی کہ سنہ ۴۹ ہجری سے لے کر سنہ ۵۵ ہجری تک کے زمانے میں ہونے والی جنگ، قسطنطنیہ میں اسلامی لشکر کی طرف سے لڑی جانے والی پہلی جنگ نہیں تھی بلکہ سنہ ۴۹ ہجری سے پہلے بھی قسطنطنیہ پر حملہ ہو چکا تھا اور اس میں یقینی طور پر یزید شریک نہیں تھا اور حدیث میں جو بشارت دی گئی ہے اس کا تعلق قسطنطنیہ پر حملہ کرنے والے پہلے لشکر سے ہے۔ اس لیے اس حدیث سے یزید کے مغفور ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

اب رہی یہ بات کہ سنہ ۴۹ ہجری سے قبل قسطنطنیہ پر اسلامی لشکر کب حملہ آور ہوا تو اس سلسلے میں سنن ابوداؤد کی ایک روایت ہے:

عَنْ أَسْلَمَ أَبِي عِمْرَانَ قَالَ : غَزَوْنَا مِنَ الْمَدِينَةِ نُرِيدُ الْقُسْطَنْطِينِيَّةَ وَعَلَى الْجَمَاعَةِ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ وَالرُّومُ مُلْصِقُو ظُهُورِهِمْ بِحَائِطِ الْمَدِينَةِ۔ (کتاب الجہاد، باب فی قولہ: لاتلقوا)

ترجمہ: حضرت اسلم ابوعمران سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم مدینہ سے قسطنطنیہ پر جہاد کے ارادے سے چلے اور سپہ سالار عبدالرحمن بن خالد بن ولید تھے، رومی اپنی پیٹھ شہر پناہ سے ملائے ہوئے تھے۔

آگے کا قصہ بیان کرتے ہوئے ابوعمران کہتے ہیں کہ: ایک صاحب نے دشمن پر حملہ کردیا، اس پر لوگوں نے کہا: بس بس! لاالہ الااللہ، یہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں۔ یہ سن کر حضرت ابوایوب انصاری نے فرمایا کہ: یہ آیت انصار کے بارے میں اتری ہے۔ جب اللہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی اور اسلام کو غالب کردیا تو ہم نے کہا کہ: اب ہم اپنے کاروبار میں لگ جائیں۔ اسے درست کرلیں اور جہاد چھوڑ دیں تو اس وقت: وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ۔ اتری۔ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا، کاروبار کی اصلاح میں لگ جانے اور جہاد چھوڑ دینے کا نام ہے۔

ابوعمران کہتے ہیں کہ

: فَلَمْ يَزَلْ أَبُو أَيُّوبَ يُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللهِ حَتَّى دُفِنَ بِالْقُسْطَنْطِينِيَّةِ۔

ترجمہ: ابوایوب انصاری راہ الٰہی میں جہاد کرتے رہے، یہاں تک کہ قسطنطنیہ میں دفن ہوئے۔

اس روایت سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ قسطنطنیہ کی ایک جہادی مہم میں عبدالرحمن بن خالد بن ولید سپہ سالار تھے۔ ابوداؤد کی روایت میں اس بات کی صراحت تو نہیں ہے کہ عبدالرحمن بن خالد بن ولید کی قیادت میں ہونے والی یہ جنگ کس سنہ میں ہوئی لیکن اگر عبدالرحمن بن خالد کی تاریخ وفات معلوم ہوجائے تو اس جنگ کا زمانہ متعین کیا جاسکتا ہے، چنانچہ ان کی وفات کے سلسلے میں یہ دو قول ہیں:

سنہ ۴۶ ہجری یا سنہ ۴۷ ہجری۔

(البدایۃ والنہایۃ، ج:۸، ص:۳۱، الکامل فی التاریخ، ج:۳، ص:۲۲۹، اسدالغابۃ، ج:۳، ص:۴۴۰)

عبدالرحمن بن خالد کی تاریخ وفات سے یہ متعین ہوجاتا ہے کہ سنہ ۴۷ ہجری سے پہلے کے زمانے میں عبدالرحمن بن خالد کی قیادت میں قسطنطنیہ پر حملہ ہوچکا تھا اور اس حملے میں حضرت ابوایوب انصاری بھی موجود تھے لیکن یزید نہیں تھا اور حضرت ابوایوب انصاری روم کے علاقے میں مسلسل جہاد میں لگے رہے، یہاں تک کہ انھوں نے قسطنطنیہ کی اس جنگ میں بھی شرکت کی جس میں یزید شریک تھا اور اسی میں ان کا انتقال بھی ہوا۔

مذکورہ روایت چونکہ سنن ابوداؤد کی ہے، اس لیے عام کتب تاریخ کے مقابلے سب سے زیادہ معتبر ہوگی۔ اس سے اس بات کی تردید ہوجاتی ہے کہ قسطنطنیہ کے خلاف جنگ کرنے والے پہلے لشکر میں یزید شریک تھا، کیوں کہ پہلے

بات گزر چکی ہے کہ یزید جس جنگ میں شریک تھا اس کا زمانہ سنہ ۴۹ ہجری سے سنہ ۵۵ ہجری تک کا زمانہ ہے اور عبد الرحمن بن خالد کی قیادت میں قسطنطنیہ میں جو جنگ ہوئی وہ سنہ ۴۶ یا سنہ ۴۷ ہجری سے قبل ہوئی۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ جس لشکر میں یزید شریک تھا وہ قسطنطنیہ پر پہلی بار حملہ آور نہیں ہوا تھا اور مغفرت کا تعلق جہاد کرنے والے پہلے لشکر سے ہے، اس لیے ماسبق میں مذکور صحیح بخاری کی حدیث سے یزید کے لیے مغفرت کا کوئی ثبوت نہیں۔

ایک الزامی جواب

امام بخاری کی مذکورہ روایت کا ایک جواب یہ ہے کہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ یزید قسطنطنیہ کی جس جنگ میں شریک تھا وہ پہلا لشکر ہی تھا، پھر بھی اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ جنتی ہے۔ حدیث سے صرف اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ اس لشکر کو بخش دیا گیا، یہ نہیں کہ اس کے اگلے پچھلے تمام گناہ بخش دیے گئے۔ اس طرح کی اور بہت سی احادیث ہیں جن میں مختلف اعمال پر مغفرت کی بشارت دی گئی ہے، مثلاً:

مَنْ فَطَّرَ فِيْهِ صَائِمًا كَانَ لَهٗ مَغْفِرَةً لِّذُنُوْبِهٖ۔

(صحیح ابن خزیمہ، کتاب الصیام)

ترجمہ: جو ماہ رمضان میں افطار کرائے اس کے گناہوں کے لیے مغفرت ہے۔

کیا اس حدیث کی بنا پر کوئی دعوی کرسکتا ہے کہ جس نے روزہ دار کو افطار کرادیا وہ جنتی ہوگیا اور اب وہ کوئی گناہ کرے، کوئی فرق نہیں پڑے گا اور وہ بہر حال جنتی ہوگا؟ ہرگز ایسا نہیں، جب ایسا نہیں تو پھر یہ کیسے دعوی کیا جاسکتا ہے کہ صرف جنگ قسطنطنیہ میں شرکت کی وجہ سے یزید کے اگلے پچھلے تمام گناہوں کی مغفرت ہوگئی اور وہ جنتی ہوگیا اور اب اہل بیت کے ظالمانہ قتل، واقعہ حرہ اور دوسرے بہت سے کبیرہ گناہوں کے باوجود اس کے مغفور ہونے پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ امام بخاری کی روایت سے کسی بھی صورت میں یزید کے جنتی ہونے کی بات ثابت نہیں ہوتی اور اس روایت سے جنتی ہونے پر استدلال کرنے والے بدعقیدہ ناصبی اور بدعتی ہی ہوسکتے ہیں۔

✲✲✲

السعی منا والشفاء من اللہ

یونانی دواؤں کے ذریعے پیچیدہ و کہنہ امراض کے تشفی بخش علاج کے لیے رابطہ کریں:

حکیم سرفراز حسین

امام سنی جامع مسجد، چمڑا بازار،

مین روڈ دھاراوی ممبئی-17

موبائل:09323861303

انجم راہی

پیکر صبر و استقامت: حضرت زینب رضی اللہ عنہا

اسلام کی اہم خواتین میں حضرت زینب بنت علی رضی اللہ عنہا کی ذات محتاج تعارف نہیں۔ آپ نے بیٹی، بہن، بیوی اور ماں ہونے کی حیثیت سے جو ذمے داریاں اور خدمات انجام دی ہیں وہ آج بھی نہ صرف سنہرے حرفوں میں لکھے جانے کے قابل ہے، بلکہ تمام خواتین کے لیے نمونۂ عمل بھی ہے۔

ولادت باسعادت: حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی پیدائش ۵/ جمادی الاولیٰ سنہ ۶ ہجری میں ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور چبایا اور لعاب مبارک آپ کے منھ میں ڈالا، پھر ''زینب'' نام تجویز کیا اور فرمایا:

یہ تو ہم شبیہ خدیجہ ہے۔ (سیرت فاطمہ، ص:۲۵۹)

شکل وصورت: دراز قد، حسین صورت ہونے کے ساتھ جلال نبوی اور وقار حیدری کی مکمل تصویر تھیں۔

سلسلۂ نسب: والدہ کی جانب نسبی سلسلہ یہ ہے:

زینب بنت فاطمہ بنت محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب

اور والد کی جانب سے نسبی سلسلہ یہ ہے:

زینب بنت علی بن ابوطالب بن عبدالمطلب

یعنی والدین کی جانب سے ان کا سلسلۂ نسب حضرت عبدالمطلب سے مل جاتا ہے۔

تعلیم وتربیت: حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی تعلیم و تربیت تین حیثیتوں سے ہوئی:

۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی ہونے کی حیثیت سے

۲۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بیٹی ہونے کی حیثیت سے

۳۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی لخت جگر ہونے کی حیثیت سے

اس سہ طرفہ تعلیم وتربیت کا نتیجہ یہ نکلا کہ علم وفضل میں قریش کی کوئی بھی خاتون حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کرسکتی تھی۔ (باتفاق جمہور مؤرخین)

القابات وخطابات: تاریخی کتابوں میں آپ کے ذکر شدہ القاب کی تعداد اکسٹھ (۶۱) تک پہنچتی ہے، ان میں سے کچھ مشہور القاب یہ ہیں:

ام المصائب، نائبۃ الزہراء، نائبۃ الحسین، عالمہ غیر معلمہ، فاضلہ، محدثہ، زاہدہ، صدیقہ صغری، راضیۃ بالقدر والقضاء، شجاعہ، فصیحہ، بلیغہ وغیرہ (حوالہ سابق)

علم دوستی: چونکہ آپ کی پرورش اور تربیت علمی ماحول، انسان دوستی اور صبر ورضا کی فضا میں ہوئی تھی، جہاں چکی چلاتے وقت بھی لبوں پر تلاوت قرآن ہوا کرتا تھا، اس لیے علم قرآن سے بہت لگاؤ اور کافی دلچسپی تھی، جس کا اظہار مطالب قرآن بیان کرتے وقت ہوتا تھا۔ ایک بار کوفہ میں عورتوں کے درمیان کھیعص کے مطالب بیان کررہی تھیں کہ اچانک حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم تشریف لے آئے، پھر آپ کے

بیان کو سن کر فرمایا: جان پدر! میں نے تمہارا بیان سنا اور مجھے بے حد خوشی ہوئی کہ تم قرآن کے مطالب اس قدر عمدہ طریقے سے بیان کر سکتی ہو۔ (حوالہ سابق:۲۶۱)

ازدواجی زندگی: حضرت زینب رضی اللہ عنہ کی عمر جب ۱۱/ یا ۱۲/ سال کی ہوئی تو جعفر بن طیار کے فرزند ارجمند عبداللہ سے آپ کا نکاح کر دیا گیا۔ آپ کی اولاد کل پانچ ہوئیں جن میں دولڑکے عون اور محمد (شہیدان کربلا) تھے۔ آپ کی خانگی زندگی بھی بڑی خوشگوار تھی، جس کی وجہ یہ رہی کہ آپ اپنے شوہر کی بے حد خدمت گزار بھی تھیں اور لونڈیاں اور خادمائیں ہونے کے باوجود گھر کا سارا کام کاج بھی خود انجام دیا کرتی تھیں۔ گویا حضرت زینب ایک آئیڈیل گھریلو خاتون تھیں جس کا اقرار خود اُن کے شوہر عبداللہ بن جعفر نے یہ کہہ کر کیا ہے کہ:

زینب بہترین گھریلو خاتون ہیں۔ (ایضاً ص:۲۶۲)

سخاوت: حضرت زینب کی طرح عبداللہ بن جعفر پر بھی سخاوت کا رنگ چڑھا ہوا تھا، لیکن شادی کے بعد حضرت زینب کی صحبت نے عبداللہ بن جعفر کے اندر سخاوت میں اور پختگی پیدا کر دی اور اس طرح دونوں میاں بیوی نے مل کر اس قدر سخاوت کا دریا بہایا کہ مستحق تو مستحق بہت سے غیر مستحق بھی فیضیاب ہونے لگے۔

یہ دیکھ کر امام حسین رضی اللہ عنہ نے سمجھانے کی کوشش بھی کی مگر حضرت عبداللہ بن جعفر کہتے کہ:

کیا کروں بھائی! ہاتھوں کو دیکھ کر دل قابو میں نہیں رہتا ہے، اللہ نے مال ہی اس لیے دیا ہے کہ اس کے بندوں پر لٹاؤں۔

بعد میں یہ جود و سخا اس حد تک بڑھ گیا تھا کہ فاقہ کشی کی نوبت آپڑی، مگر اس حال میں بھی حضرت زینب صبر و استقامت، سادگی اور جفاکشی کا پیکر بنی رہیں۔ (حوالہ سابق)

اللہ کا خوف: نماز، روزہ اور دیگر شریعت کی پابندی کے باوجود اللہ کا خوف اس قدر غالب تھا کہ حضرت زینب ہمیشہ گریہ وزاری میں مشغول رہتیں، یہاں تک کہ جب پوری دنیا سورہی ہوتی تو آپ بارگاہ الٰہی میں سربسجود ہوتیں اور ندامت کے آنسو بہاتی رہتیں۔ (حوالہ سابق)

صبر و استقامت: حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے صبر و استقامت کی بات کی جائے تو ثبوت کے لیے دل دہلا دینے والا واقعۂ کربلا ہی کافی ہے۔ آج جب کہ ہم کربلا کے تصور ہی سے کانپ جاتے ہیں تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جس خاتون کے سامنے اس کے بیٹے، بھتیجے اور بھائی کو قتل کر دیا جائے، اس کے دل کی کیا حالت رہی ہوگی؟ اس پر غم کے پہاڑ کس قدر ٹوٹے ہوں گے۔ لیکن یہ حضرت زینب کی ہی ہمت اور ان کا ہی حوصلہ ہے کہ ایسے دردناک ماحول میں بھی نہ صرف خود صبر و استقامت کی ہمالہ نظر آتی ہیں، بلکہ اپنے بھائی امام حسین کو بھی صبر کی تلقین اور ان کی دل جوئی کرتی دکھائی دیتی ہیں۔

کربلا سے آج تک پوری انسانی تاریخ دیکھ لیجئے کہ جس حوصلے، ہمت وشجاعت اور صبر و استقامت کا مظاہرہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے کیا ہے، اس کی کہیں کوئی مثال نہیں ملے گی۔

جرأت و بے باکی: اسی پر بس نہیں، حضرت زینب نے یزیدیوں کے سامنے جو خطبہ پیش کیا ہے وہ ان کی جرأت و

بے باکی کی واضح دلیل ہے، آپ فرماتی ہیں:

یزید! اگر چہ حادثات زمانہ نے ہمیں اس موڑ پر لا کھڑا کیا ہے اور مجھے قیدی بنایا گیا ہے۔ مگر یہ جان لے کہ میرے نزدیک تیری طاقت کچھ بھی نہیں ہے۔ واللہ! میں اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتی اور اس کے سوا کسی اور سے شکوہ بھی نہیں کروں گی۔

یزید! مکر و حیلے کے ذریعے ہم لوگوں سے تو جتنی دشمنی کر سکتا ہے کر لے لیکن ہمارے نام و نشان کو لوگوں کے دل و دماغ اور تاریخ کے صفحات سے نہیں مٹا سکتا اور نہ ہماری حیات اور ہمارے وقار کو ختم کر سکتا ہے، اسی طرح اپنے دامن پر لگے ننگ و عار کے بدنما داغ کو بھی تو نہیں دھو سکتا، اللہ کی پھٹکار اور لعنت ہو ظالموں پر، ستمگروں پر۔ (حوالہ سابق،ص:۲۷۲)

مؤرخین لکھتے ہیں کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے اس خطبے نے ایک انقلاب برپا کر دیا اور یہیں سے بنو امیہ کی حکومت کے خاتمے کا دور شروع ہوا۔

وصال مبارک: اور پھر ایک دن اپنے خاوند عبداللہ بن جعفر کے ساتھ شام کے سفر میں تھیں کہ ۱۵/رجب سنہ ۶۳ ہجری (بعض کے نزدیک سنہ ۶۵ ہجری) میں وصال کر گئیں اور شام کی راجدھانی دمشق میں مدفون ہوئیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی حیات طیبہ کو صرف پڑھنے کی نہیں بلکہ اس سے عبرت لینے کی ضرورت ہے کہ جس طرح انھوں نے دینداری، خوف الٰہی، صبر و استقلال، سخاوت، علم دوستی اور حق گوئی کو اپنا شعار بنایا اور ایک مثال قائم کی، اسی طرح آج کی خواتین کو بھی چاہیے ان اوصاف سے اپنی زندگی کو سنواریں اور اپنے بعد آنے والی نسل کے لیے ایک نمونہ پیش کریں۔

✲✲✲

تصوف پر علمی، تحقیقی، و دعوتی مجلہ

کتابی سلسلہ **الاحسان** الہ آباد (اردو)

کا پانچواں شمارہ زیر ترتیب ہے

یہ شمارہ مندرجہ ذیل ابواب پر مشتمل ہوگا۔ بادہ و ساغر، احوال، بادہ کہنہ، تذکیر، تحقیق و تنقید، بحث و نظر، شناسائی، صوفی ادب، زاویہ (جو عارف ربانی امام عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ کی حیات و خدمات پر مشتمل ہوگا۔) پیمانہ اور مکتوبات۔

اہل قلم حضرات سے گزارش ہے کہ اپنی وقیع نگارشات ۱۰/دسمبر ۲۰۱۳ تک دفتر الاحسان کو ارسال فرما کر مشکور ہوں۔

alehsaan.yearly@gmail.com, Mobile: + 91-9026981216

اسلام دین فطرت ہے

بچو! شکر کو تو آپ جانتے ہی ہیں جسے آپ اپنی چائے اور شربت میں استعمال کرتے ہیں، یوں ہی نمک بھی جانتے ہی ہیں جسے آپ ہر دن اپنے سالن میں استعمال کرتے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ شکر فطری طور پر میٹھا اور نمک نمکین ہوتا ہے۔لیکن ذرا یہ بتائیں کہ اگر کبھی نمک میٹھا یا شکر نمکین ہو جائے تو آپ کیا کہیں گے؟ یہی کہ یہ دونوں اپنی فطرت کے خلاف ہو چکے ہیں۔اسی طرح آگ کا کام جلانا ہے لیکن اگر کبھی اس سے پانی برسنے لگے تو آپ کہیں گے کہ یہ آگ اپنی جبلت اور فطرت کے برخلاف ہو چکی ہے۔تو جس طرح میٹھا ہونا شکر کی خصوصیت ہے اور جلانا آگ کی فطرت ہے اسی طرح اسلام بھی دین فطرت ہے۔

حدیث پاک میں ہے: ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے یہ اور بات ہے کہ بڑا ہونے کے بعد اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔(مشکوۃ)

اس حدیث پاک سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

☆ انسان کا کوئی نہ کوئی مذہب ہو، بے دینی اور کمیونسٹ پسندی فطرت کے خلاف ہے۔

☆ فطری مذہب صرف اور صرف اسلام ہے، اس لیے اسلام کے علاوہ کسی دوسرے مذہب کی پیروی کرنا فطرت سے بغاوت اور قدرت سے لڑائی مول لینا ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

جو اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین کو تلاش کرے گا تو وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان والوں میں سے ہوگا۔ (آل عمران:۸۵)

☆ جن لوگوں کا مذہب، اسلام ہے وہ ٹھیک فطرت کے موافق ہیں، کیوں کہ یہی دین اللہ کو بھی پسند ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ دین، اسلام ہے۔ (آل عمران:۱۹)

اور یہ سچ ہے کہ جو اللہ کے اس پسندیدہ اور فطری دین کو مانتا ہے وہی اصل میں کامیاب، ہدایت پانے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

جنھوں نے اسلام قبول کرلیا ان لوگوں نے حق کی راہ تلاش کر لی۔ (سورۂ جن:۱۴)

اچھا! اب ذرا یہ بتائیں کہ اگر آپ دروازے کو الٹا کھولنا چاہیں تو کیا ہوگا؟ آپ تھک جائیں گے اور دروازہ بھی ٹوٹ جائے گا لیکن دروازہ نہیں کھلے گا، کیوں؟ اس لیے کہ دروازے کی بناوٹ ہی ایسی ہوتی ہے کہ اُسے سیدھا کھولا جائے لیکن آپ نے اس کی بناوٹ اور فطرت کے خلاف کیا جس کے نتیجے میں آپ تھک گئے اور دروازہ بھی ٹوٹ گیا۔

معلوم ہوا کہ فطرت سے بغاوت کرنے سے فطرت کا کچھ نہیں بگڑتا، بلکہ اپنا ہی نقصان ہوتا ہے۔

آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ مغربی ممالک میں ہر

ساتویں شخص کو نیند کی گولیاں لینے کی ضرورت پڑتی ہے۔یہی نہیں، وہاں ایسے ادارے بھی وجود میں آ رہے ہیں جو خودکشی کرنے میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔کیا آپ اس کی وجہ بتا سکتے ہیں ؟نہیں، تو سنئے !اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں یا تو کمیونسٹ پرستی اور بے دینی ہے یا پھر وہ فطرت کے خلاف لڑائی کرتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ تھک جاتے ہیں، انھیں آرام نہیں ملتا اور نیند نہیں آتی، جس کے لیے وہ گولیاں لیتے ہیں، لیکن اس سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوتا، روحانی سکون نہیں ملتا، بلکہ بے سکونی اور بے چینی بڑھتی جاتی ہے اور جب بے چینی کی انتہا ہو جاتی ہے تو وہ خودکشی کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔یہی انجام ہے فطرت سے بغاوت کرنے کا!

بچو! یہاں یہ بھی یاد رکھیں کہ جب اسلام دین فطرت ہے تو جس چیز کا وہ حکم دے وہ بھی فطری ہوگی اور جس چیز سے وہ منع کرے وہ بھی فطرت کے ٹھیک مطابق ہوگی، مثلاً: اسلام ہمیں یہ حکم دیتا ہے کہ ہم سچ بولیں اور جھوٹ سے بچیں تو اس کا سیدھا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے انسان کی فطرت ہی ایسی بنائی ہے کہ وہ سچ بولے، اب اگر انسان اس کے خلاف کام کرتا ہے تو گویا وہ فطرت سے بغاوت کر رہا ہے۔

یوں ہی اسلام ہمیں یہ حکم دیتا ہے کہ ہم اللہ کی عبادت کریں، رسول کی تعظیم کریں، ان کی شان میں توہین نہ کریں، چوری نہ کریں، کمزوروں پر ظلم نہ کریں، وعدہ خلافی نہ کریں اور کسی کی غیبت نہ کریں، تو اس کا بھی مطلب یہی ہے کہ ان تمام چیزوں سے بچنا ٹھیک فطرت کے مطابق ہے۔اس کے برخلاف کام کرنا فطرت سے جنگ کرنا ہے اور خالق و مالک سے دشمنی مول لینا ہے۔

پیارے بچو! اگر آپ زندگی میں سکون و اطمینان کے خواہشمند ہیں اور دنیا و آخرت دونوں میں کامیابی چاہتے ہیں تو فطرت کی خلاف ورزی سے بچیں۔

●●●

طب یونانی کا سہ ماہی منفرد ترجمان جسے آج دستاویزی حیثیت حاصل ہے

نوائے طب وصحت

(اشاعت کا ۲۲واں سال)

زیر سرپرستی: داعی اسلام شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی

زیر ادارت: حکیم محمد عرفان نجف علیمی

فی شمارہ: Rs. 30، سالانہ: Rs. 300، تاحیات ممبرشپ: Rs. 1000

ترسیل زر، خط وکتابت کا پتہ:

NAWA-E-TIB-O-SEHAT

Neem Sarai, Dhoomanganj, Alld. Mob. +919935289962

E-mail- nitosehat@rediffmail.com

{ جامعہ عارفیہ سے فارغ ہونے والے طلبہ کی مختصر رپورٹ ۲۰۱۳ء }

حضرت داعی اسلام شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی دام ظلہ العالی نے ۱۹۹۳ء میں خانقاہ عالیہ عارفیہ کے احاطہ میں جامعہ عارفیہ قائم کیا۔ جامعہ نے اس قلیل مدت میں تعلیم وتربیت اور دعوت واصلاح کے میدان میں جو خدمات انجام دیا ہے وہ قابل تحسین اور لائق تقلید ہے۔

ہر سال کی طرح اس سال بھی حضرت مخدوم شاہ عارف صفی قدس سرہ (وصال: ۱۹۰۳ء) کے سالانہ عرس کے موقع پر ۲۴ ستمبر ۲۰۱۳ء کو جامعہ کے مختلف شعبہ جات سے فارغ ہونے والے مندرجہ ذیل طلبہ کو خلعت ودستار سے نوازا گیا:

شعبہ دعوت (الدبلوم العالی للدعوة والعلوم الاسلامیة)

۱۔محمد ساجد علی ابن لیاقت علی، بنگال ۲۔سکندر خان (اصغر علی) ابن بپت خان پٹھان، نیپال ۳۔محمد آفتاب عالم ابن محمد رمضان علی، مظفر پور ۴۔محمد مدثر رضا ابن محمد نظام الدین، اتر دیناج پور ۵۔حامد رضا ابن توحید علی، سلطان پور، یوپی

شعبہ عالمیت

۱۔جنید احمد ابن شفیق احمد، فتح پور، یوپی ۲۔آفتاب علی ابن شوکت علی، الہ آباد ۳۔محمد فرحان اختر ابن محمد اختر، کوشامبی ۴۔محمد توصیف رضا ابن عبد الستار برکاتی، مدھوبنی ۵۔عزیز اللہ بقائی ابن محبوب اللہ بقائی، مہوبا، یوپی ۶۔محمد ابو الکلام ابن محمد عظیم الدین، امیٹھی، یوپی ۷۔محمد اختر تابش ابن محمد اسرائیل، دربھنگہ ۸۔محمد آفتاب عالم ابن محمد جمال الدین، آرہ، بہار ۹۔محمد طارق رضا ابن محمد خالد رضا، دربھنگہ ۱۰۔محمد سلمان ابن رئیس احمد، کوشامبی، یوپی ۱۱۔محمد بابر حسین ابن نور الاسلام، کشن گنج ۱۲۔محمد موسیٰ رضا ابن محمد قربان علی، چترا، جھارکھنڈ ۱۳۔محمد رضا ابن توحید علی، سلطان پور، یوپی ۱۴۔تاج محمد ابن طاہر شیخ، نیپال

شعبہ حفظ وتجوید

۱ محمد اویس رضا ابن افضال احمد، فتح پور، یوپی ۲۔محمد سلطان ابن محمد سنّے، بھکندہ کوشامبی ۳۔محمد احمد ابن محمد سنّے، بھکندہ کوشامبی ۴۔محمد ندیم ابن محمد نوح، کوشامبی ۵۔کفیل احمد ابن اشفاق احمد، کراری، کوشامبی ۶۔محمد ارمان ابن محمد امام الدین، گیا، بہار ۷۔محمد شکیل الرحمٰن خان ابن محمد شفیق الرحمٰن خان، دربھنگہ ۸۔علی محمد ابن حدیث احمد، پھول پور، الہ آباد ۹۔عبد السبحان ابن حامد علی، کراری، کوشامبی ۱۰۔جاوید اختر ابن محمد عثمان، کٹیہار، بہار ۱۱۔محمد شاہ نواز ابن امان اللہ، بھکندہ، کوشامبی ۱۲۔شاہ نواز عالم ابن محمد لقمان، آرہ، بہار ۱۳۔محمد فائق رضا ابن محمد خالد رضا، دربھنگہ، بہار ۱۴۔محمد عارض ابن سہیل احمد، الہ آباد، یوپی ۱۵۔محمد مزمل ابن نور الدین، الہٰ آباد یوپی ۱۶۔سید عابد نیازی ابن سید عبد الوحید نیازی، چکیہ، الہ آباد ۱۷۔محمد اظہار عالم ابن نثار احمد، فتح پور، یوپی۔

ناشر: **شاہ صفی میموریل ٹرسٹ**، خانقاہ عالیہ عارفیہ، سید سراواں، کوشامبی، الہ آباد، یوپی

آپ کے SMS

● مکرم ایڈیٹر صاحب! السلام علیکم

ماہنامہ ''خضر راہ'' مطالعہ کی میز پر ہے جس کا ٹائٹل اتنی جاذبیت سے بھرپور ہے کہ قاری کو مکمل پڑھنے پر اکسا رہا ہے۔

الحمدللہ! تمام مشمولات زمانے کے لحاظ سے اہم اور قابل عمل ہیں۔ عصر حاضر میں ایسے رسائل کی ضرورت ہے۔ باطن کو سنوارنا، عملی دنیا میں قدم رکھنا، روح تصوف سے دامن گیر ہونا سب کے بس کی بات نہیں ہے مگر جسے اللہ چاہے۔

لیکن ''خضر راہ'' جیسے رسائل سے ضرور دل نرم ہوتا ہے اور توبہ واستغفار کے الفاظ منھ سے نکلتے ہیں، ذہن وفکر میں احوال صوفیا گردش کرتے ہیں۔ آج ہر طرف گناہ، عریانیت، بدخواہی، بغض وعداوت کی گرم بازاری ہے جس سے مسلم معاشرہ بچ نہیں سکتا ہے۔ حسد وکینہ اس وقت تک ہمارے دل سے نکل نہیں سکتا جب تک کہ ہم نور مجسم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل نہ کریں اور یہی صوفیا، اولیا، علما نے ہر جگہ خانقاہیں، مدرسے، رسالے جاری کر کے اہل دنیا تک پہنچائے ہیں۔ ''خضر راہ'' اس میدان کا انوکھا رسالہ ہے جو صوفیا کی تعلیمات کو گھر گھر پہنچانے کی سعی بلیغ کر رہا ہے۔

ہمارے یہاں جتنی بھی کاپیاں آتی ہیں وہ سب اساتذہ وطلبہ بڑی خوش دلی سے پڑھتے ہیں اور ہر ایک یہی کہتا ہے: ماشاءاللہ! ''خضر راہ'' کا کہنا ہی کیا ہے۔ مولیٰ تعالیٰ تا صبح قیامت فرزندان اسلام کو ''خضر راہ'' سے بہرور فرمائے۔ (آمین)

محمد ہاشم نقشبندی، جامعہ صدیقیہ، سوجا شریف، باڑمیر (راجستھان)

● السلام علیکم!

''خضر راہ'' ستمبر کا شمارہ مولانا شوکت علی صاحب کے معرفت دلّی میں موصول ہوا، اس رسالے کا میں روز اول سے ہی قاری ہوں۔ یہ رسالہ اپنے نام ''خضر راہ'' کی پوری نمائندگی کرتا ہے اور امید ہے کہ یہ رسالہ ہمیشہ اسی طرح ہمارے گھر، سوسائٹی اور ملک کے لیے ایک نمائندہ رسالہ ثابت ہو۔

جب میں نے رسالے کو پڑھنے کے لیے اٹھایا میری نگاہ ٹائٹل پیج پر ٹک گئی، ٹایٹل پیج پر تین ہیڈنگ: دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے، حرکت زمین کا مسئلہ اور چاند کا ثبوت، جدید ذرائع ابلاغ، ایک ہی نشست میں پڑھ ڈالا۔ چاند کا ثبوت اور جدید ذرائع ابلاغ قابل تعریف مضمون ہے۔ ویسے تو ''خضر راہ'' کا ہر ٹاپک اپنے اندر افادیت اور اہمیت رکھتا ہے، لیکن خاص کر ''عرفانی مجلس'' جو روحانی تسکین کا پورا کام کرتی ہے۔ مولانا ذیشان صاحب کے دونوں مضامین ''حرکت زمین کا مسئلہ اور چاند کا ثبوت، جدید ذرائع ابلاغ'' بہت پسند آئے۔

میری گذارش ہے کہ چاند کا ثبوت اور جدید ذرائع ابلاغ کو تھوڑے اضافے کے ساتھ ایک کتابچہ کی شکل میں شائع کریں، تاکہ پورے ہندوستانی مسلمان ایک دن عید کی نماز

پڑھ سکیں اور آیت کریمہ: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔ پر عمل اور جدید ذرائع ابلاغ سے چند چیزوں پر عمل اور چند چیزوں سے صرف نظر کرنا لازم نہ آئے اور حرکت زمین کا مسئلہ کے تحت انھوں نے مسلم اور غیر مسلم فلاسفر کے نظریے کو پیش کیا جو قابل مطالعہ ہے۔ ان کی یہ بات بہت پسند آئی کہ اصل بات یہ ہے کہ پوری انسانیت اس رب کی عبادت کرے جس کو سمجھنے میں اب تک عقلیں دنگ ہیں۔

محمد ثاقب علیمی، بٹلہ ہاؤس، نئی دہلی

● السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس مہینہ کا رسالہ جو ستمبر کا تھا اس کو میں نے ایک ہی بار میں ختم کیا سید سراواں سے کانپور کے سفر میں اور اس کی وجہ سے سفر کی مسافت کا پتہ بھی نہ چلا۔ ماہنامہ کے تمام مضامین قابل ستائش ہیں جن میں سب سے اہمیت کا مالک وہ مضمون تھا جو چاند کے ثبوت کے متعلق تھا۔ حضور داعی اسلام ادام اللہ ظلہ نے جو فرمایا ہے کہ: ’’دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے‘‘ اپنی نوعیت کا اہم گوشہ ہے۔

بہت ہی کم وقت میں پورے ہندوستان میں اپنی پہچان بنانے والا، تمام لائبریریوں میں دھوم مچانے والا، ماحول اور معاشرے کو عشق رسول میں تبدیل کرنے والا رسالہ ہے۔

ماہنامہ ’’خضر راہ‘‘ کے لیے اللہ کی بارگاہ میں دعا گو ہوں کہ قارئین کے علم وعمل میں برکت اور اضافہ کرے اور ساتھ حضور داعی اسلام کو اللہ عمر خضر عطا فرمائے۔ (آمین)

محمد کلیم اللہ، جامعہ عارفیہ، سید سراواں، کوشامبی (الہ آباد)

الحمد للہ! ’’خضر راہ‘‘ نظر سے گزرا، سرورق دیدہ زیب اور دل کو چھونے والا ہے۔ مضامین بھی معلومات افزا ہیں۔

’’خاص کر بھیک مانگنا کس کے لیے جائز ہے‘‘ دلائل اور براہین سے مزین اور معلومات میں اضافہ کرنے والا ہے۔

دعا گو ہوں کہ اللہ عزوجل اپنے حبیب کے صدقے میں ’’خضر راہ‘‘ کو خوب ترقی دے، کامیابی کی راہیں اس کے لیے آسان کرے اور آپ سے دین کی خوب خدمت لے۔

رضا قادری مصباحی، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی۔ ۲۵

● السلام علیکم!

میں نے ستمبر کا شمارہ پڑھا، الحمد للہ! ایک مضمون کا تذکرہ کیا، ہر متقدمین صوفیائے کرام کی جلائی ہوئی روشنی سے روشن وتابناک ہے۔ بس ضرورت ہے تو اس بات کی کہ مضمون نگار کے بعد وہ رہنے والے کس جگہ کے ہیں منشن کر دیا کریں، اس سے ان کا بھی حوصلہ بڑھے گا۔

محمد ازہر نور اعظمی

● مکرمی سلام مسنون!

’’خضر راہ‘‘ دعوت وتبلیغ کی خدمات انجام دینے کے ساتھ، داعی ومحسن بنانے والا رسالہ ہے۔ اس لیے قارئین حسد وعناد کا چشمہ اتار کر اِس کا مطالعہ کریں۔

سید سلمان، متواپور، کوشامبی، یوپی

آپ ہمیں اپنے sms سیل فون کے ذریعے بھیجیں:
Mobile: 9312922953, 9910865854

مشمولہ تحریروں میں الفاظ کے معانی ومفاہیم

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
آراستہ	سنوارا ہوا	تقلید	اتباع کرنا
ابدی	ہمیشہ رہنے والی چیز	تشکیل	شکل وصورت دینا، خاکہ بنانا
استعارات	کسی مشابہت کی وجہ سے غیر حقیقی معنی میں استعمال ہونے والے الفاظ	تکمیل	مکمل کرنا
		جبلت	فطرت
استطاعت	طاقت، قدرت	جزوی	بعض اعتبار سے
استفادہ	فائدہ حاصل کرنا	جود وسخا	بخشش
اعتدال	بیچ کی راہ اختیار کرنا	حاجت	ضرورت
انشراح صدر	کسی بات پر دل کا مطمئن ہو جانا	حالت نزع	مرنے کا وقت
امور غیبیہ	عالم غیب کی باتیں	حزن	ملال، غم
بشریت	بشری کمزوری	حسب حال	صورت حال کے مطابق
بشری آلودگی	بشری کمزوری	خرافات	بکواس، غیر ضروری باتیں/ چیزیں
تجویز	رائے دینا، رائے	خرد	عقل
تخفیف	ہلکا کرنا	خرقہ	کپڑے کا ٹکڑا، تبرک کا کپڑا جسے صوفیہ دیتے ہیں
تخلیق	پیدا کرنا	دار الجزاء	بدلے کا گھر، ثواب وعذاب پانے کی جگہ
تخمینہ	اندازہ	دائم	ہمیشہ
تردید	رد کرنا	رجا	امید
تشبیہات	ایک چیز کو سمجھانے کے لیے اس سے ملتی جلتی چیزوں کا ذکر کرنا	رجوع	لوٹنا، پوچھنا
		حیلہ	بہانہ
تشریح	وضاحت	رہزنوں	ڈاکوؤں
تصدیق قلبی	دلی اقرار	ساخت	بناوٹ
تعلیق	کسی بات پر حاشیہ	ساحرانہ	جادوئی
تفہیم	سمجھنا، سمجھانا	شرک خفی	وہ عمل جو خالص اللہ کے لیے نہ ہو

مشمولہ تحریروں میں الفاظ کے معانی ومفاہیم

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
شعار	علامت، نشانی، پہچان	مدخل	داخل ہونے کا راستہ، دروازہ
صادق	سچا	مربی	تربیت کرنے والا
صنم	بت، مجازاً محبوب کو بھی بولتے ہیں	مقتدا	پیشوا
ضعف	کمزوری	مستحسن	اچھا، پسندیدہ
طالب	طلب کرنے والا	مسخ	صورت بگاڑنا
ظن	گمان	مسکن	رہنے کی جگہ، قیام گاہ
قارئین	پڑھنے والے	منکشف	کھلا ہوا، واضح
قصد	ارادہ	منکر	انکار کرنے والا
کذّاب	جھوٹا	حقوق العباد	بندوں کے حقوق
لسانِ حال	زبان حال، کسی کی حالت جس سے کوئی بات سمجھ میں آئے	مشابہت	ایک ہی طرح
لسانِ قال	زبان، ظاہری زبان	محاسبہ	جائزہ، حساب لینا
ماحصل	خلاصہ	معمولات	اعمال واشغال
ماورا	پرے، بالاتر، سمجھ سے باہر	وسعت	کشادگی، گنجائش
متہم بالکذب	وہ شخص جس پر جھوٹ کی تہمت ہو	مرجع	جس کی طرف رجوع کیا جائے
معاہد	عہد کرنے والا	مقرب	قریبی، اللہ کا صالح بندہ
مصحف	صحیفہ، کتاب، قرآن پاک	مطعون	جس پر طعن کیا جائے، جس کو برا بھلا کہا جائے
معزول	عہدے سے ہٹایا ہوا	موازنہ	مقابلہ، دو چیزوں کا تقابل کرنا
مشکوک	وہ بات جس میں شک ہو اور وہ یقینی نہ ہو	نمودار	ظاہر
مماثلت	مشابہت، یکسانیت	ناصبی	اہل بیت سے دشمنی رکھنے والی گمراہ جماعت
مؤید	تائید کرنے والا	موقف	نقطہ نظر
مراحل	مرحلہ کی جمع، منزل، درجہ	ہم شبیہ	ہم شکل

نوٹ: مذکورہ بالا الفاظ کے معانی ومفاہیم مشمولہ مضامین کے معانی ومفاہیم کے اعتبار سے دیے گئے ہیں۔

ماہنامہ خضر راہ حاصل کرنے کے پتے

الہ آباد واطراف

ابومیانزشاہی اسٹور، (نرالاسویٹ ہاؤس) نوراللہ روڈ، الہ آباد-9839457055

محمد قیس خان، ممتاز العلوم، نثمئی، کوشامبی۔9936890704

محمد زبیر عالم، گریاواں، منصور آباد، الہ آباد-9795252994

مکتبہ نور، نوراللہ روڈ، الہ آباد۔9415646355

محمدیہ بک ڈپو، اسٹیشن روڈ، کھاگا، فتحپور۔9936958324

محمد امتیاز، کنڈا، پرتاپ گڑھ، یوپی-8808646082

فیاض الحسن بک سیلر، نئی سڑک، کانپور،9936805213

عمران احمد، بابوپوروا، کانپور،9839101833

منظور الحسن نیوز پیپر ایجنٹ، شاپ نمبر 6، پیپر مارکیٹ، کانپور۔8960539848

مدرسہ فیض العلوم صابریہ، گاندھی نگر، آگرہ-9286192523

فیضان الحق، پروفیسر کالونی، ہری ہروت، آگرہ۔8859383839

حافظ محمد ظہیر، شکار پور روڈ، بلندشہر۔9058220141

حافظ سیف احمد، فہیم آباد، کانپور۔9670731895

محمد ثاقب، بھکندہ، کٹیا، کوشامبی۔7668156533

ممبئی واطراف

حکیم سرفراز حسین، سنی جامع مسجد، دھاراوی، ممبئی-9819291874

شیخ جاوید اقبال، شیلیس نگر، ممرا، مہاراشٹر-9322865066

محمد ابراہیم، منگل گیری، شولاپور، مہاراشٹر-9421067863

گلشن میڈیکیئر، سکندرآباد، حیدرآباد-27716760

محمد عارف دانش رضوی، زیتون پورہ، بھیونڈی.9823683348

خادم بکڈپو، پراسیا، چندواڑہ، ایم پی-9039090386

محمد ہاشم، دارالعلوم فیض صدیقیہ، سوجاشریف، باڑمیر، راجستھان

جنوبی ہند واطراف

محمد سلمان، سلاگٹہ، چکبالم پور، کرناٹک-9880095263

مولانا عبدالرحمن، بیلگام، کرناٹک-8147449067

غلام ذوالنورین، حسینی مسجد، بیکانیر-9460172623

قریشی نیوز ایجنسی، رجک سینمارود، راورکیلا، اڑیسہ 9439499458

حافظ شبیر شاداب، دُرگ، چھتیس گڑھ-7869230382

روشن درسی کتب خانہ، موتی نالہ، جبل پور-9752705786

دہلی واطراف

خواجہ بک ڈپو، مٹیامحل، جامع مسجد، دہلی۔9910865854

راجا اسٹیشنری، شاہین باغ، Ext روڈ، نئی دہلی-9891590739

مولانا شفیق الحق، مسجد عمر فاروق، شاہین باغ، دہلی-9716559786

الجامعۃ الاسلامیہ، جیت پور II، دہلی-9650934740

شاہ صفی اکیڈمی، بٹلہ ہاؤس، دہلی-9910865854

جمال بک ڈپو، بیسمنٹ رحمان کمپلکس، بٹلہ ہاؤس، دہلی۔9990486231

گلاٹی نیوز ایجنسی، بس اسٹینڈ، مہرولی، دہلی۔9250225954

حاجی حبیب اللہ، نیوسیماپوری، نئی دہلی۔9818225177

جہانگیر محسن بک ڈپو، جامع مسجد روڈ، آگرہ۔7500127143

حافظ ہارون، قلعہ والی مسجد، اٹاوہ،7417842567

کولکاتا واطراف

نیوز پیپر ایجنٹ، رابندرا سارانی، کولکاتا-9748210140

بک اسٹال، نیئر مسلم انسٹی ٹیوٹ، کولکاتا،16۔9330643486

خانقاہ نعمتی، مٹیابرج، کولکاتا-09831746380

مدرسہ سلیمیہ، فیض الاسلام، کمرہٹی، کولکاتا-9748421851

نسیم بک ڈپو، کولوٹولہ، کولکاتا-9339422992

رضا بک سینٹر، روشن گلدار لین، ٹکیہ پارہ، ہاوڑہ-9330462827

نوری بک ڈپو، پاچھورسیا، گنجریا بازار، اتر دیناجپور۔09734035478

بہار واطراف

دارالعلوم تاج الشریعہ، مصری گنج، مدھوبنی-9931431786

نوری بک سیلر، پورب چوک، بائسی، پورنیہ۔08986235393

امدادیہ بک ڈپو، جامع مسجد روڈ، ہزاری باغ-9835523993

دلکش بک ڈپو، رام گڑھ، جھارکھنڈ-9798306353

اقبال بک ڈپو، مدرسہ مارکیٹ، اورنگ آباد،9122471549

مراد علی، بارون بازار، اورنگ آباد، بہار-9507840625

انصار بک ڈپو، بارہ پتھر، ڈہری اون سون-8603741579

مدرسہ عارفیہ سعید العلوم، نہوٹا شیر گھاٹی، گیا-9939479919

رضا بک سیلر، کمپنی باغ، مظفر پور، بہار-9431475679

مکتبہ واجدیہ، قلعہ گھاٹ چوک، دربھنگہ، بہار۔9304514097

عامر نانگبوری، ہاویل روڈ، لابان، شیلانگ، میگھالیہ-8794042067

نوٹ: ایجنسی حاصل کرنے کے خواہش مند حضرات رابطہ کریں:9312922953

سالانہ ممبرشپ فارم

Annual Subscription Form

SUBSCRIBE TODAY:

Fill in this form with your details for subscription and mail along with your cheque/DD to the following address:

SHAH SAFI ACADEMY

Jamia Arifia, Saiyed Sarawan, Kaushambi, Allahabad, U.P Pin: 212213

Mob: 9312922953, 08382923993, E-mail: khizrerah@gmail.com

Cheque/DD In favour of, **"SHAH SAFI ACADEMY"**

HDFC Bank A/c No. 22631450000118

Form No. 1

Name:..

Village:..

City.........................State.......................... Pin Code.................

Tel. No:.....................................E-mail:.......................................

SUBSCRIPTION FARE:

One Year : 200

Five Years : 900

Form No. 2

Name:..

Village:..

City.........................State..........................PinCode:.................

Tel. No:.....................................E-mail:.......................................

SUBSCRIPTION FARE:

One Year : 200

Five Years : 900